دستاویز نمبر ۲
۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء

ترجمہ

گلینسی کمیشن رپورٹ

مترجم

میر محمد نیاز جرنلسٹ

مطبوعہ منظور عام پریس، پیسہ اخبار سٹریٹ، لاہور۔

باب اوّل

تمہید

یہ کمیشن ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کے احکام مصدرہ ۱۲ ؍ نومبر ۱۹۳۱ء کے تحت مقرر کیا گیا تھا اور یہ چار غیر سرکاری ارکان پر مشتمل تھا۔ صدر ایک یورپین افسر تھا جس کی خدمات ہز ہائی نس کی درخواست پر حکومتِ ہند نے ریاست جموں و کشمیر کو مستعار دی تھیں۔ چار غیر سرکاری ارکان میں کشمیر کا ایک ہندو اور ایک مسلمان اور صوبہ جموں کا ایک ہندو اور ایک مسلمان نمائندہ شامل تھا اور ان نمائندوں میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی قوم نے نامزد کیا تھا۔ اس کمیشن کا کام یہ تھا کہ ہز ہائی نس گورنمنٹ کو جو مذہبی یا عام نوعیت کی شکایات رعایا کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اور جو شکایات براہِ راست کمیشن کو پیش کی جائیں، ان کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔

اواخر نومبر میں صوبہ جموں کے ارکان کے سری نگر پہنچتے ہی کمیشن نے اپنے اجلاس شروع کر دیئے۔ اور ریاست بھر میں اس مضمون کے اعلانات اور اشتہارات تقسیم کئے گئے کہ کمیشن ان تمام شکایات کی جو شرائط تحقیقات کی ذیل میں آتے ہیں، تحقیقات کرنے کو آمادہ ہے۔ ریاست کے مختلف حصص کے لئے تاریخیں مقرر کی گئیں اور اعلان کیا گیا کہ عام حالات میں مقررہ تاریخوں تک شکایات باقاعدہ کمیشن کے روبرو پیش کر دی جائیں لیکن افسوس ہے کہ ان تاریخوں کی پابندی نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ بہت سی اہم اقوام کے نمائندے وقتِ مقررہ تک اپنے بیانات تیار کرنے سے قاصر رہے۔ اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ متعلقہ نمائندہ مجالس میں بدقسمتی سے اختلافات رونما ہو گئے اور اس طرح ان کی توجہ اصل کام کی طرف سے ہٹ گئی۔ کمیشن نے حتی المقدور ان مجالس کے ارکان میں اتحاد پیدا کرنے اور تعاون و اشتراکِ عمل کی ترغیب دینے کی کوشش کی۔ لیکن یہ مساعی صرف جزوی طور پر کامیاب ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض معاملات میں مختلف اقوام کے نمائندگان اور مختلف مجالس نے جن سے استفسار کیا گیا تھا، ابھی تک معلومات بہم نہیں پہنچائیں۔ بایں ہمہ کمیشن ان تمام بڑے بڑے معاملات کے متعلق جو اس کے نوٹس میں لائے گئے، نتائج اخذ کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس رپورٹ کے پیش کرنے میں مزید توقف صریحاً نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

ماہ دسمبر میں جموں کے ہندوؤں نے فیصلہ کیا کہ کمیشن سے اپنا ممبر واپس بلا لیا جائے۔ اس فیصلہ کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ کمیشن ایسے سوالات کو جن کا تعلق ہندوؤں کے قانونِ وراثت سے ہے، اپنے حیطۂ

تحقیقات سے خارج کرنے سے قاصر رہا ہے۔ جموں کے ہندوؤں نے جن وجوہ کی بنا پر یہ فیصلہ کیا ہے، اُن کا سمجھنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس لئے کہ جب ہندوؤں نے اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا تو انہیں پوری طرح علم تھا کہ حکامِ ریاست کو ایک شکایت پیش کی گئی ہوئی ہے جس کا تعلق اس معاملہ (یعنی ہندوؤں کے قانونِ وراثت) سے ہے۔ اس لئے کمیشن اس کی جانچ پڑتال کرنے پر مجبور ہے۔ علاوہ بریں جموں کے ہندو نمائندہ نے، کمیشن کو وہ مخصوص شرائط جن کا تعلق اس کی نامزدگی سے تھا، بتائے بغیر کمیشن کی رکنیت ترک کر دی اور سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ جموں کے ہندوؤں نے دلیل اور حجت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے نمائندہ کو واپس کمیشن میں بھیجنے یا اس کی جگہ کوئی اور نمائندہ مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ کمیشن نے ہز ہائی نس گورنمنٹ کی منظوری سے ۴ غیر سرکاری ارکان (جن سے ابتداءً کمیشن مشتمل تھا) کی بجائے صرف تین غیر سرکاری ارکان ہی کے ساتھ (جن میں دو مسلمان اور ایک ہندو تھا) اپنے اجلاس جاری رکھے۔ وسط جنوری ۱۹۳۲ء میں کمیشن سری نگر سے جموں روانہ ہو گیا۔

تمام اہم شکایات پر ذیل میں سلسلہ وار بحث کی گئی ہے۔ انفرادی شکایات جن کا ہز ہائینس کی رعایا کے کسی خاص طبقہ یا جماعت کے مفادِ عمومی پر اثر نہیں پڑتا، متعلقہ ریاستی محکمہ کو بھیج دی گئی ہیں۔ کیونکہ یہ شکایات مقررہ شرائطِ تحقیقات کی ذیل میں نہیں آتیں۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں وہ سوالات شامل کرنے سے بھی گریز کیا ہے جن کا تعلق جلسوں، جلوسوں، اخبارات و مطبوعات کے علاوہ انجمنوں، سبھاؤں اور دیگر ایسوسی ایشنوں کے قیام کے بارے میں موجودہ ریاستی قوانین سے ہے۔ ہز ہائینس کے محولا بالا اعلان کے مطابق کمیشن کو ان سوالات پر جداگانہ غور کرنا تھا۔ اس لئے ہز ہائینس کی گورنمنٹ کی ہدایات کے ماتحت متعلقہ مسائل پر کمیشن میں بے ضابطہ بحث کی گئی ہے اور سفارشات پیش کر دی گئی ہیں۔

کمیشن نے ان مختصر ناموں کو جو سکھوں نے ہز ہائی نس گورنمنٹ کو پیش کئے تنقیح نہیں کی ہے (اس لئے کہ سکھوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی شکایات کمیشن کو پیش کرنے کی بجائے براہِ راست وزیرِ اعظم کو پیش کریں گے اور بظاہر یہ مناسب بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی تمام شکایات کا فیصلہ ایک ہی حاکم کرے)

اصل رپورٹ کے متعلق اختلافی نوٹ بطور ضمیمہ شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ان نوٹوں کے لکھنے والے نمائندوں کے نام اور جن موضوعات سے ان نوٹوں کا تعلق ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) مسٹر غلام عباس و مسٹر اشائی

۱۔ قانونِ وراثت

۲۔ راجپوت ٹریننگ سکول

۳۔ اسلحہ جات کا لائسنس

(ب) پنڈت پریم ناتھ بزاز

عیدگاہ کا میدان

۱۔ سول سروس میں بھرتی
۲۔ فوجی ملازمت
۳۔ سرکاری ملازمتوں کا کمیشن
۴۔ مالکانہ
۵۔ لگان اراضی یا مالیہ

(ج) چوہدری غلام عباس

باب دوم

مذہبی شکایات

(۱) مذہبی عمارات وغیرہ کی واپسی

ہز ہائی نس نے اب سے پیشتر ہی اس امر کے صریح احکام جاری فرما دیئے ہیں کہ وہ مذہبی عمارات و مقامات جو ریاست کے قبضے میں پائے جائیں، اس قوم کے حوالے کر دیئے جائیں جو ان کی صحیح دعویدار ہے۔ اور اگر کہیں کوئی تیسری جماعت اس دعوے پر معترض نہ ہو تو واپسی کی کارروائی بلا توقف عمل میں لائی جائے۔ ان احکام کی تعمیل میں ریاستی حکام نے کشمیر کی مندرجہ ذیل عمارات مسلمانوں کی تحریک یا کمیشن کی سفارش پر مسلمانوں کے حوالے کر دی ہیں۔

۱۔ پتھر مسجد
۲۔ خانقاہ سوختہ
۳۔ خانقاہِ بلبل شاہ
۴۔ خانقاہِ دارا شکوہ

(۱ تا ۴) واقع سری نگر

۵۔ مسجد ملشاہی باغ — واقع گاندربل

ریاست کو چاہیئے کہ جونہی شیعہ اور سُنی جماعتوں کے نمائندے فیصلہ کریں کہ کس کو اس عمارت کا متولی بنایا جائے۔ زیارت مدنی صاحب سری نگر بھی (مسلمانوں کے) حوالے کر دی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس سرینگر کا وہ میدان جو عیدگاہ کے نام سے مشہور ہے حتی الامکان جلد سے جلد مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مدت مدید

سے عام پبلک ان دنوں میں جبکہ ادائے نماز کے لئے عیدگاہ کی ضرورت نہیں ہوتی، ورزش کرنے اور مویشیوں کو چارہ چرانے کے لئے اس میدان کے حقِ استعمال سے استفادہ کرتی رہی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ذمہ دار مسلمان اس سہولت کے جاری رکھنے کے خلاف نہیں ہیں۔

کمیشن نے اس عمارت کا معائنہ کیا ہے جو مقبرہ بادشاہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ ثابت ہوا ہے کہ اس عمارت کی حالت نہایت خستہ اور خطرناک ہے اور یہ قطعاً پبلک کے استعمال کے لائق نہیں۔ اسلیئے یہ بدستور حال ریاستی حکام کے قبضہ میں رہے۔ البتہ اس عمارت کے قریب کے قبرستان میں داخل ہونے اور اس کا آزادانہ استعمال کرنے میں مسلمانوں کے حق سے تعرض نہ کیا جائے۔ اس معاملہ کے متعلق محکمہ متعلقہ کو لکھا جاچکا ہے۔

صوبہ جموں میں مندرجہ ذیل عمارتوں کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ اس لئے اب یہ مسلمانوں کے حوالے کر دی جائیں۔

۱۔ خانقاہ صوفی شاہ — واقع جموں شہر

۲۔ باہو مسجد — واقع باہو

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خانقاہ شاہدرہ کو خالص اسلامی انتظام کے ماتحت رکھنے میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسے خالصاً مسلمانوں کے انتظام میں دینے کیلئے جلد کارروائی کی جائے۔

مسلمانوں نے جن اہم ترین عمارتوں کا دعوٰی کیا ہے ان پر اوپر بحث کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد اور چھوٹے چھوٹے مقامات بھی ہیں۔ مثلاً وہ قطعاتِ زمین جن کو مساجد کے طور پر استعمال کیا گیا یا جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس حیثیت سے استعمال کئے گئے۔ مندروں کے احاطے، قبرستان، شمشان وغیرہ ان کے متعلق ابھی مکمل معلومات بہم نہیں پہنچیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دعوٰی کی پیشی میں تاخیر کی گئی ہے یا صاف صاف یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ مقامات کہاں کہاں واقع ہیں۔ اس قسم کے تمام مقامات کے متعلق جونہی تفصیلات بہم پہنچیں، ہز ہائی نس کے احکام کی تعمیل میں ذرا بھی وقت ضائع نہ کیا جائے۔ ان مقامات کے متعلق جملہ خط و کتابت ضروری کارروائی کے لئے جموں اور کشمیر کے گورنروں کو بھیج دی گئی ہے۔ جہاں کہیں یہ ثابت ہو سکے کہ حکام ریاست نے کوئی مقدس عمارت یا مقام کسی تیسری جماعت کو منتقل کر دیا ہوا ہے اور اب یہ واپس کیا جانا ضروری ہے تو جس قوم کو یہ عمارت یا مقام واپس کیا جائے۔ اس سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ اس کے موجودہ مالک یا قابض کو معاوضہ ادا کرے۔

کشمیری پنڈتوں اور بدھوں نے کثیر تعداد ایسی عمارات کا دعوٰی کیا ہے۔ جو کہا جاتا ہے کہ کبھی

مندر کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ اور اب مسلمانوں کی عبادت گاہیں بن گئی ہیں۔ اس قسم کے دعوؤں کو حق بجانب قرار دینا بالکل ناممکن ہے۔ کشمیر جیسے ممالک میں جہاں زمانہ گذشتہ میں ہمہ گیر تبدیلی مذہب واقع ہوئی ہو یہ بالکل قدرتی امر ہے کہ کثیر التعداد مقدس عمارات جو ایک خاص مذہب کی بجاآوری میں استعمال کی جاتی تھیں، دوسرے مذہب کی عبادت گاہیں بنائی گئیں۔ جہاں اس قسم کی تبدیلی ہوئی ہو اور جہاں اب بھی عبادت کی جاتی ہو، اس جگہ کا اس قوم کو واپس دیا جانا جس کے افراد سب سے پہلے اسے استعمال کرتے تھے بظاہر خارج از بحث ہے۔ یہ امر بھی عملی سیاسیات سے بعید ہے کہ شنکر آچارج (تخت سلیمان) اور ہری پربت کی تمام کی تمام پہاڑیاں پنڈتوں کے حوالے کر دی جائیں۔ ان رقبہ جات میں سالہا سال سے وسیع پیمانے پر عمارات کھڑی کی گئی ہیں۔ ان پہاڑیوں پر جو ہندو مندر واقع ہیں، وہاں داخلہ کی عام اجازت ہے۔ اس لئے یہ سفارش کرنا بالکل ناممکن ہے کہ اس وقت ان پہاڑیوں میں جو مکانات، قبرستان وغیرہ واقع ہیں، ان سب کو منہدم کرا دیا جائے۔

سری نگر کی مسجد شاہ ہمدان اور اس کے ملحقہ مہا کالی مندر کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کئی سال سے تنازعہ چلا آتا ہے۔ ہندوؤں کے سب سے بڑے مطالبات یہ ہیں۔

(۱) کہ ان کو مہا کالی مندر کے اوپر چھپر بنانے کی اجازت دی جائے تاکہ پوجا کرنے والے بارش اور برف باری سے محفوظ رہیں۔

(۲) مسلمانوں کے نہانے کا گھاٹ جو اس وقت مندر کے سامنے واقع ہے، وہاں سے چند گز دریا کی نشیبی جانب کھسکا دیا جائے۔

قریباً ۸ سال کا عرصہ گزرا کہ ان عبادت گاہوں کے اہم ترین تنازعہ کے متعلق فریقین کے مابین سمجھوتہ ہوا تھا جس پر طرفین نے دستخط بھی ثبت کئے تھے۔ کمیشن کو اس سمجھوتہ کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔ کشمیر کے انتظامی حکام کو چاہیے کہ وہ متذکرہ بالا مطالبات کو خاص طور پر پیش نگاہ رکھتے ہوئے بڑے حزم و احتیاط سے اس سمجھوتہ کی جانچ کریں۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ سمجھوتہ برقرار نہ رکھنے کی زبردست وجوہ ہیں اس وقت تک اس سمجھوتہ کی شرائط کو برقرار رکھا جائے۔

کشمیری پنڈت یہ بھی شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں بعض زیارتوں میں جو اس وقت اسلامی معابد ہیں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ یہ لیکن جہاں آج سے کچھ عرصہ پیشتر دونوں اقوام یکساں عبادت کرتی تھیں، معاملہ متعلقہ اقوام کی دانشمندی اور عقل ہی پر چھوڑنا لازم ہے۔ کشیدگی اور بداعتمادی کی حالت میں جو اس وقت بدقسمتی سے دونوں اقوام میں پائی جاتی ہے، عقلمندی یہی ہے کہ اس معاملہ میں سابقہ ناخوشگوار

حالات پیدا کرنے کی کوشش ملتوی رکھی جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ دونوں اقوام کے درمیان تعلقات اتنے خوشگوار ہو جائیں گے کہ پھر اس رسم کی تجدید کی جا سکے جواب سے کچھ عرصہ پیشتر جاری تھی۔

پنڈت اور بدھ دونوں یکساں ریاست کے محکمہ آثارِ قدیمہ کی منسوخی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اب اس محکمہ کی تجدید کے سوال پر ریاستی حکام کی توجہ مبذول ہو رہی ہے۔ اور فی الحال تمام اہم قومی یادگاروں کی ضروری مرمت کی درخواستوں پر غور کیا جائے گا۔ موجودہ نازک مالی حالت میں یہ مناسب نہیں کہ اس معاملہ میں کوئی بہتر انتظام کرنے کی سفارش کی جائے۔

مختلف اقوام مثلاً بدھوں، سرحدی مسلمانوں اور لداخی عیسائیوں نے شکایت کی ہے کہ ریاستی حکام نے ہمیں وہیڑوں، مسجدوں، قبرستانوں، گرجوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے زمین عطا نہیں کی۔ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آیا اس قسم کے جملہ واقعات میں حکام متعلقہ سے کوئی درخواست کی گئی تھی؟ متعلقہ اشخاص اس معاملہ میں درخواست کرنے میں بالکل آزاد و مختار ہیں اور اگر موزوں قطعاتِ اراضی موجود ہوں اور ان کے عطا کرنے میں کافی وجہ انکار نہ ہو تو اس قسم کی درخواستوں پر بلاشبہ ایسا ہی غور ہونا چاہیے جس کی وہ مستحق ہیں۔

۲۔ اذان کی آزادی

مسلمان نمائندوں نے شکایت کی ہے کہ بعض مقامات پر اذان کہنے کے خلاف اعتراضات کئے گئے ہیں یہ شکایت قریباً کلیتہً صوبہ جموں تک ہی محدود ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ خاص جموں میں بھی اذان میں سرکاری طور پر رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ بعض مواضعات میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت اور غلبہ ہے غیر سرکاری افراد نے اذان کے خلاف اعتراض کیا ہے۔ اور وہ اذان کے روکنے کے لئے جو کچھ ان سے ہو سکتا ہے کرتے ہیں۔ ان الزامات کے متعلق مقامی حکام سے تحقیقات کی گئی ہے لیکن معلومات ابھی تک نامکمل ہیں۔ اس قسم کی مداخلت ہز ہائی نس گورنمنٹ کے احکام کے صریح خلاف ہے۔ اس لئے اس کا موثر طور پر تدارک کیا جانا چاہیے۔

۳۔ تبدیلیٔ مذہب کی آزادی

قانونِ وراثت کے علاوہ جس پر ذیل میں بحث کی گئی ہے، مسلمانوں نے کہا ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں یا اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مقامی حکام ان کو مختلف مشکلات اور تکالیف کا تختہ مشق بناتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں شہادت پیش کی گئی ہے کہ بعض حالات میں پولیس بلاضرورت تحقیقات میں مصروف ہو گئی، جس سے تبدیلِ مذہب کے خواہش مندوں کو تکلیف ہوئی۔ تحقیقات سے

معلوم ہوتا ہے کہ پولیس اور دیگر اہل کاروں کو اس قسم کی سرگرمیوں کی قطعًا اجازت نہیں دی گئی۔ ہز ہائی نس مہاراجہ کے اعلان کے مطابق ایسی سرگرمیوں کی قرار واقعی حوصلہ شکنی کرنا چاہیے۔

۴۔ مذہب تبدیل کرنیوالوں (مرتدوں) پر ریاست کے قانونِ وراثت کے ماتحت جو دنیوی پابندیاں عائد کی گئی ہیں اُن کی تنسیخ

اس سوال پر کچھ عرصہ سے شدید کشیدگی و اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ اس لئے اس پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا ضروری ہے۔ صوبہ کشمیر میں نسبتًا شاذ ہی تبدیلیٔ مذہب کے واقعات ہوتے ہیں۔ لیکن جموں میں ان کی زیادہ کثرت ہے۔ اگرچہ صحیح معلومات حاصل نہیں ہوئیں، تاہم متنازعہ جائیداد کی رقم نسبتًا بہت کم ہے۔ سوال زیر بحث کو حال ہی میں اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس سوال پر کچھ عرصہ سے کیوں زور دیا جا رہا ہے۔

ریاست موجودہ حالت میں اس معاملہ کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے قانون کے مطابق حسب موقع کارروائی کرلی ہے۔ ہندو قانون کے ماتحت ایک ادھرمی یا مرتد (مذہب تبدیل کرنیوالے) کو آبائی جائیداد میں حصہ لینے کے حق سے قطعًا محروم کردیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون یعنی شرع اس سے بھی سخت تر ہے۔ مرتد یعنی تبدیل مذہب کرنیوالے کو نہ صرف وراثت سے محروم کردیا جاتا ہے بلکہ وہ اس جرم کے لئے سزائے موت کا بھی مستوجب ہوتا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ریاست جموں و کشمیر میں سزائے موت نہیں دی جاتی۔ اس معاملہ میں ریاست کا ضابطہ اس رسم سے مختلف نہیں جو اس وقت اسلامی اور غیر اسلامی سلطنتوں میں بالعموم رائج ہے۔ لیکن جہاں تک حقیقی وراثت یا ترکہ کا تعلق ہے، جموں و کشمیر میں شرع ہی کی پابندی کی جاتی ہے۔

اس طرح تبدیل مذہب کے نتائج کے معاملہ میں ہندو قانون اور اسلامی شرع قریبًا متوازی و منطبق خطوط پر جاری ہیں۔ لیکن یہ تمام پہلوؤں سے یکساں نہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق ایک مسلمان اس شخص کی موت سے قبل جس سے اسے جائیداد ترکہ میں ملنے کی توقع ہے، آبائی جائیداد میں کسی قسم کا حصہ بطور ترکہ حاصل نہیں کرسکتا اور نہ اس کے لئے دعویٰ ہی کرسکتا ہے۔ بخلاف ازیں ایک ہندو شاستروں کے مطابق اپنی ولادت سے ہی خاندانی جائیداد کا حصہ دار بن جاتا ہے۔ اور وہ جب چاہے اپنے حصہ کی تقسیم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ گویا اسے ہمیشہ ترکہ ملنے کی اُمید اور توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہے تو آبائی جائیداد کا دعویٰ کرنے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام آبائی جائیداد کی (جس میں وہ جائیداد بھی شامل ہے جو واقعًا اس کے اپنے قبضہ میں تھا

مذہب کا رشتۂ ازدواج پر جو اثر پڑتا ہے۔ اس کے

ضبطی کی سزا سے بچ جائے۔ علاوہ بریں تبدیلِ مذہب کا رشتۂ ازدواج پر جو اثر پڑتا ہے
متعلق بھی دونوں مذہبی قوانین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دھرم شاستروں میں طلاق کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔
لہٰذا ہندو دھرمی مذہب ترک کرنے سے اپنی بیوی کی پرورش کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی ہندو
عورت ہندو دھرم ترک کر دے تو وہ اس وقت تک دوبارہ شادی کرنے کی مجاز نہیں جب تک اس کا ہندو خاوند
زندہ ہے۔ لیکن اگر کوئی ہندو مرد مذہب تبدیل کر لے تو اسے (شرع اسلامی کے مطابق) کثرتِ ازدواج کی
اجازت ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ اسلامی قانون کے مطابق ایک
مسلمان جب چاہے حقِ مہر کا واجب الادا حصہ ادا کر کے اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ اسلامی شرع
کی رو سے ترکِ مذہب کے ساتھ ہی رشتۂ ازدواج ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان بچوں کی سرپرستی کے
حق کے متعلق جو تبدیلِ مذہب سے قبل پیدا ہوئے ہوں، دونوں مذاہب کے قوانین میں اختلافات ہیں۔ لیکن
عملی طور پر یہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ گارڈینز اینڈ وارڈز ایکٹ (نابالغ بچوں کی ولایت اور
محافظت کا قانون) کے ماتحت ہر حالت میں بچوں کے مفاد کا خیال مقدم ہوتا ہے۔

مجملاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبدیلِ مذہب کے نتائج کے متعلق ہندو شاستر اور اسلامی شرع میں
جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی وجہ وہ چند بنیادی اختلافات ہیں جو ہر دو مذاہب کے اہم ترین اصولوں
میں پائے جاتے ہیں۔

اب جموں و کشمیر کے مسلم نمائندے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری قوم کو مذہبی بنا پر یہ شکایت ہے کہ
ریاست نے اپنے ہاں برطانوی ہند کے کاسٹ ڈِس ایبلیٹیز ریموول ایکٹ (ذات پات کی پابندیاں دور
کرنے کا قانون)۔۔۔ مجریہ ۱۸۵۰ء کے طرز کا کوئی قانون نافذ نہیں کیا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر
ہے۔ اس ایکٹ سے مذہب تبدیل کرنے والے کو ان دنیوی پابندیوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے جو
اس پر ہندو اور اسلامی قوانین کے ماتحت لازمی طور پر عائد ہوتی چاہییں۔ قانونِ زیرِ بحث ۸۰ سال سے زائد
عرصہ گزرا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں نافذ کیا گیا تھا۔ یہ قانون کن حالات میں منظور ہوا تھا، اسکے
متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ہمارے لئے ان آراء پر بحث کرنا ضروری نہیں۔ تاہم اتنا کہہ سکتے
ہیں کہ یہ امر مشکوک سا ضرور ہے کہ اگر اس وقت یہ قانون برطانوی ہند میں موجود نہ ہوتا تو آج اس قسم کا
کوئی قانون کتاب آئین میں داخل کیا جا سکتا تھا۔ اگر ریاست جموں و کشمیر میں کاسٹ ڈِس ایبلیٹیز ریموول
ایکٹ کی طرح کا کوئی قانون جاری کیا جائے تو ہز ہائی نس گورنمنٹ تبدیلِ مذہب کے نتائج کے متعلق نہ صرف
ہندو قانون بلکہ اسلامی شرع کی بھی خلاف ورزی کرے گی۔ حالانکہ اس وقت اس کا ضابطۂ قانون انہی دو

قوانین "دھرم شاستر اور اسلامی شرع" پر مبنی ہے۔

نہیں کہا جا سکتا کہ کیا کشمیر کے مسلم نمائندے اس معاملہ کو پوری طرح سمجھتے یا اسلامی قانون پر کامل عبور رکھتے بھی ہیں؟ انہوں نے اپنے بیان کے اس حصہ میں جو معاملہ زیر بحث سے متعلق ہے، نومسلم کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ وہ بالخصوص دھرم شاستروں کی عائد کردہ پابندیوں کا رونا روتے ہیں۔ لیکن شرعِ اسلام کا قطعاً ذکر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ریاست کا ایک قانون ہے کہ اگر کوئی اسلام قبول کرے تو اس کا حقِ وراثت اور اس کی خود پیدا کردہ جائیداد[1] ضبط کر لی جائے۔ یہ قانون صریحاً مذہبی آزادی کے تمام معانی کے قطعاً منافی ہے۔ اس لئے اس کو آئندہ ہرگز گوارا نہ کیا جائے۔" اس سے اگلے پیراگراف میں جس میں ایک مختلف مضمون کا ذکر ہے، کشمیری مسلمان اپنے بیان میں لکھتے ہیں کہ ضرورت ہے کہ زرعی زمین کے ترکہ کے متعلق موجودہ قانون میں ترمیم کی جائے۔ موجودہ قانون اسلامی شرع میں مداخلت کے مترادف ہے۔ اس لئے اسلامی شرع کے مطابق عورتیں بھی جائیداد ترکہ میں حاصل کر سکتی ہیں۔ زرعی اراضی کے ترکے کے متعلق وہی قانون ہونا چاہیے جو شرع نے مقرر کیا ہے۔ اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو، موجودہ قانون میں ضروری ترمیمیں کر دی جائیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ترکہ کے معاملات میں اسلامی قانون کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ بڑے بیٹے کو وارثِ جائیداد قرار دینے کا قانون بھی شرع کے خلاف ہے۔ اس لئے اسے منسوخ کر دیا جائے۔"

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اگر کشمیری مسلمانوں کے نمائندگان اپنے دعوے کے نتائج سے واقعی آگاہ تھے تو انہیں اُن کے نتائج کے متعلق شکوک و شبہات بھی ضرور تھے۔

برعکس ازیں جموں کے مسلم نمائندوں نے اتنی صاف بیانی سے اپنی پوزیشن واضح کی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں برطانوی ہند کے ایک معزز مسلمان کی جس سے انہوں نے حال ہی میں مشورہ کیا ہے، رائے درج کی ہے اور انہوں نے اس رائے کے نیچے غالباً اس لئے دستخط ثبت کئے ہیں کہ انہیں اس سے اتفاق تھا۔ اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"اگر کوئی ہندو یا مسلمان مذہب تبدیل کرے تو وہ ہندو دھرم شاستر اور اسلامی شرع کے مطابق

---

[1] یہ صحیح نہیں کہ ریاست کے قانون کی رو سے تبدیل مذہب پر خود پیدا کردہ جائیداد بھی ضبط کی جا سکتی ہے۔ جہاں کہیں یہ سمجھا جائے کہ اس معاملہ میں ریاست کی عدالتوں نے غلطی کی ہے۔ نقصان اٹھانے والی جماعت کو چاہیے کہ وہ معمولی طریقہ سے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے، داد خواہ ہو۔

لائقِ تعزیر ہے۔ ان دونوں قوانین کے ماتحت مرتد کی نہ صرف جائیداد ضبط کر لی جاتی ہے بلکہ وہ گشتنی وگردن زدنی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی اور ہندو قوانین زمانۂ حاضرہ کے ترقی یافتہ خیالات سے بہت مختلف ہیں۔ اس لئے انہیں جس قدر جلد فراموش (منسوخ) کر دیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر دونوں قوانین کے مواخذ پر نظرِ غائر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں اخلاقِ انسانی کے انضباط کے ابتدائی خیال کے بھی سراسر منافی ہیں۔

ان بصائر پر تنقید کرنا تحصیل حاصل ہے۔ البتہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جو لوگ ان کے لئے ذمہ دار ہیں وہ ہندو دھرم کے مدعی بننے کا حق نہیں رکھتے اور جہاں تک ان خیالات کا تعلق اسلام سے ہے، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ریاست جموں یا کشمیر میں یا کہیں اور بہت کم مسلمان ہوں گے جو ایسے خیالات کی تائید پر آمادہ ہوں۔ مسلمانانِ کشمیر کے ایما سے کمیشن نے جن بعض مفتیانِ شرعِ اسلام کو طلب کیا تھا، ان کی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمان اس قسم کی باتوں کو غیر معتبر اور قطعی طور پر قابلِ مذمت سمجھتے ہیں۔

کمیشن نے تحقیقات کی تھی کہ اس بارے میں ہندوستان یا اس کے قرب وجوار کی اسلامی حکومتوں یا ریاستوں میں کیا طریقِ کار برتا جاتا ہے۔ جہاں تک کمیشن کو معلوم ہو سکا ہے ہندوستان کی سرحد پر یا اس کے قریب ایک بھی ایسا اسلامی ملک نہیں جہاں اسلام ترک کرنے والے کو ترکہ پانے کی اجازت دی جاتی ہو۔ حاصل شدہ معلومات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود ہندوستان کی اسلامی ریاستوں نے (ایک ریاست کے سوا) یہ موزوں و مناسب نہیں سمجھا کہ برطانوی ہند کے قانون ۱۸۵۰ء کے مطابق کوئی قانون وضع کریں۔ یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم اسلامی شرع کے اس حصہ کے متعلق جو خاص اسلام کی حفاظت کیلئے وضع کیا گیا ہے، اسلامی حکومتیں اور غیر اسلامی حکومتیں دونوں یکساں اس بات سے آگاہ ہیں کہ اپنے مذہب کے مفاد کے پیشِ نظر شرع (یا دھرم شاستر) میں کسی قسم کی ترمیم کرنا کسی کی مرضی کا معاملہ نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کمیشن کے روبرو یہ سوال زیرِ بحث نہیں کہ کیا برطانوی ہند یا کسی اور جگہ کا قانون اصولی طور پر ایک نہایت عمدہ اور نمونہ کا قانون ہے۔ بلکہ کمیشن کا کام صرف یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا کوئی حقیقی شکایت پائی جاتی ہے اور اگر پائی جاتی ہے تو اس کی تلافی کیلئے کیا سفارشیں پیش کی جائیں۔ لہٰذا اس معاملہ کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ کیا مسلمانانِ جموں و کشمیر کو اس امرِ واقعی کے متعلق کوئی شکایت ہے کہ تبدیلِ مذہب کے نتائج سے تعلق رکھنے والا ریاستی قانون ہندو دھرم اور اسلام کے مذہبی قوانین پر مبنی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا صرف ایک جواب ہو سکتا ہے یعنی "نہیں"۔

۵- اراضی کی ملکیت اور جاگیرداروں کے متعلق ریاست کے قانونِ وراثت میں ترمیم

درخواست کی گئی ہے کہ ریاست کے قوانین میں ترمیم کر دی جائے تاکہ لڑکیاں وغیرہ بھی زرعی اراضی کا حصہ ترکہ میں حاصل کر سکیں۔ یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ جاگیروں کی وراثت کے متعلق جو یہ اصول رائج ہے کہ سب سے بڑے بیٹے کو اس کا وارث قرار دیا جاتا ہے اسے ترک کر دیا جائے۔ بظاہر ان جماعتوں کی جن کے مفاد کا اس سے زیادہ تعلق ہے، خواہشات سے اس درخواست کی تائید نہیں ہوتی۔ نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان جماعتوں کو مجوزہ تجاویز سے فائدہ رہے گا۔ اگر زرعی زمین کے متعلق ضابطہ میں جس کی رو سے صرف اولاد ذکور کو ترکہ پانے کی اجازت حاصل ہے مجوزہ ترمیم کر دی جائے تو بظاہر غیر متوقع نتائج برآمد ہوں گے۔ مثلاً اس اہم اصول کا تحفظ ناممکن ہو جائے گا کہ زرعی زمین زراعت پیشہ جماعتوں ہی کے قبضہ میں رہے۔ اگر جاگیروں کے معاملہ میں بڑے بیٹے کو جانشین اور وارث مقرر کرنے کا اصول ترک کر دیا جائے تو متعلقہ جاگیریں لازماً زوال پذیر ہوں گی۔ حتیٰ کہ وہ بالآخر بالکل تباہ ہو جائیں گی۔ بعض راجپوت جاگیروں کی افسوسناک حالت سے اس کی مثال بخوبی ملتی ہے۔ ان جاگیروں میں مہاراجہ صاحب آنجہانی کے عہد میں جانشینی کا معمولی دستور ترک کر دیا گیا تھا۔

ان دونوں معاملات میں جموں و کشمیر کا ضابطہ ہندوستان (خواہ وہ برطانوی ہند ہو یا ریاستی ہند) کے مروجہ عام دستور کے مطابق ہے اور کوئی تبدیلی مناسب نظر نہیں آتی۔

۶- توہینِ مذہب کے واقعات کا انسداد

اکثر ایسے واقعات سننے میں آئے ہیں کہ ایک قوم کے طرزِ عمل سے دوسری قوم کے مذہبی جذبات و احساسات کو صدمہ پہنچا۔۔ ان متعدد واقعات پر بحث کرنا اس کمیشن کا کام نہیں اور نہ ہی اس قسم کی بحث سے وہ جذبۂ خیر سگالی و یک جہتی بڑھ سکتا ہے، جس کا قیام تمام جماعتوں کے مفاد کے لئے از بس ضروری ہے۔ صرف ایک ہی قوم مورد الزام نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ کیونکہ آج سے کچھ عرصہ پیشتر اس قسم کے واقعات کی مثالیں نسبتاً خال خال ہی ملتی تھیں۔

اس بات پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے کہ اس قسم کے جرائم کا حتی الامکان سختی سے نوٹس لیا جائے۔ اگر کسی ملازم ریاست کے خلاف یہ الزام لگایا گیا ہو کہ اس نے غیر قوم کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچایا ہے تو اس کی پوری تحقیقات کی جائے اور اگر الزام صحیح ثابت ہو تو سخت سے سخت کاروائی

کی جائے۔ مذہب کے معاملہ میں تمام اقوام کی یکساں طور پر کامل حفاظت کی جائے۔ اور تمام متعلقہ اہل کاروں کو بخوبی ذہن نشین کرا دیا جائے کہ غیر اقوام کے مذہبی جذبات کا احترام ازبس اہم چیز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر یہ ثابت ہو سکے کہ غیر سرکاری اشخاص بھی ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں تو قانون کے مطابق ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

اس بارے میں سرکاری حکام جو کارروائی کر سکتے ہیں اس سے قطع نظر جملہ اقوام کے رہنما اپنے پیروؤں کو یہ بات ذہن نشین کرانا اپنا فرضِ منصبی سمجھیں کہ توہینِ مذہب کے اشتعال انگیز افعال ہر لحاظ سے قابلِ افسوس ہیں۔ ایسی سرگرمیوں میں جن سے دوسری قوم کے جذبات و احساسات کو صدمہ پہنچانا مقصود ہو اینٹ کا جواب پتھر سے ملنا لازمی امر ہے۔ اور ان سرگرمیوں کو دیکھ کر دوسری اقوام بھی ایسی ہی کارروائیوں کی جرأت کرتی ہیں۔ جو شخص دوسروں کے خیالات اور اعتقادات کا احترام نہیں کرتا، اگر اس کے اپنے اعتقادات کا لحاظ نہ کیا جائے تو اسے اس پر تعجب و افسوس نہ ہونا چاہیے۔

باب سوم

تعلیم

کمیشن کو جو شکایات پیش کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ عام اور شدید شکایت یہ ہے کہ بعض اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کو تعلیم کے معاملہ میں جائز موقع نہیں دیا جاتا اور انہیں کافی تعداد میں ریاست کی ملازمت میں نہیں لیا جاتا چونکہ ریاستی ملازمتوں میں نیابت کا انحصار زیادہ تر تعلیمی قابلیتوں پر ہے۔ اس لئے ارادہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تعلیم کے سوال ہی پر بحث کی جائے۔

قریباً ۱۶ سال کا عرصہ گزرا کہ حکومت ہند کے ایجوکیشن منسٹر مسٹر شارپ نے حکومت کشمیر کی دعوت پر جموں و کشمیر کا دورہ کیا۔ تاکہ محکمہ تعلیم میں جن اصلاحات کی ضرورت ہے ان کے متعلق وہ مشورہ دیں۔ اکثر شکایت کی جاتی ہے کہ مسٹر شارپ کی سفارشات کو مناسب طور پر مشتہر نہیں کیا گیا اور بہت حد تک ان کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں جن معاملات پر بحث کی گئی ہے، ان میں مسٹر شارپ کی کئی اہم تجاویز بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

ابتدائی مدارس

مسٹر شارپ نے رائے ظاہر کی تھی کہ تعلیمی نقطہ نظر سے ابتدائی مدارس کی تعداد کا اضافہ ریاست کی سب سے بڑی ضرورت ہے"۔ اس رائے سے کمیشن کلیتہً متفق ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تعلیمی

اصلاحات جاری کرتے وقت یہ حقیقت مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ ابتدائی مدارس کی توسیع اولین اور اہم ترین ضرورت ہے۔ ریاست میں مسٹر شارپ کے زمانہ میں ۳۱۱، ابتدائی مدارس تھے۔ جن میں ۳۶، امدادی مدارس بھی شامل ہیں۔ مسٹر شارپ کا مشورہ یہ تھا کہ ابتدائی مدارس میں مزید ۱۱۰۰، مدارس کا اضافہ کیا جائے تاکہ ۵۰۰، یا اس سے زیادہ آبادی والے دیہات میں ابتدائی تعلیم کا بندوبست ہو سکے۔ انہوں نے رائے دی تھی کہ اس پروگرام پر ۱۰، سال کے عرصہ میں عملدرآمد کیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ابتدائی مدارس کی موجودہ تعداد ۸۴۲ ہے، جن میں ۳۵، امدادی مدارس بھی شامل ہیں۔ ریاست کا پروگرام یہ ہے کہ ہر سال ۲۰، نئے ابتدائی مدارس کھولے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسٹر شارپ کی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کیلئے یہ پروگرام نہایت کافی ہے۔ اگر یہ پروگرام کسی ترمیم کے بغیر جاری رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ۴۸ سال کے بعد کہیں ریاست کا محکمۂ تعلیم اس معیار تک پہنچے گا جو اسے ۱۹۲۶ء میں حاصل کر لینا چاہیے تھا۔ علاوہ بریں مسٹر شارپ کے وقت سے ابتک کم از کم ۵۰۰، کی آبادی والے دیہات کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ یعنی اب ان دیہات کی مجموعی تعداد ۱۹۹۰ ہے۔ اور ۳۹، قصبات ان دیہات کے علاوہ ہیں۔

ابتدائی تعلیم کی توسیع کا کام سرعت کے ساتھ انجام دیا جائے کہ یہ ایک بہت اہم معاملہ ہے۔ ایک قطعی پروگرام اور نقشہ تیار کیا جائے۔ پروگرام میں ان مقامات کے نام درج ہوں جہاں آئندہ چند سالوں میں نئے مدارس کھولے جانے ہیں اور نقشہ میں تعلیم کی موجودہ حالت اور آئندہ ترقی کا خاکہ کھینچا جائے۔

یہ بھی بہت مناسب ہے کہ ابتدائی مدارس کے لئے موزوں عمارات مہیا کرنے کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی جائے۔ اس وقت قریباً تمام ابتدائی مدارس کرایہ کے مکانات میں واقع ہیں اور ان کے کرایہ پر بظاہر ۴ ہزار روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہیں ہوتا۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ آئندہ مکانات کرایہ پر لینے کی بجائے ان دیہات کو جہاں ابتدائی مدارس پائے جاتے ہیں بالمقطع رقم مثلاً ۴۰، روپیہ اور مفت لکڑی اور شاملات دیہہ میں مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس طرح مسلسل اخراجات کی بچت رہے گی اور چند سال کے عرصہ میں مدارس موجودہ سے بہت بہتر جگہ میں قائم ہو جائیں گے۔ ایک واضح اور مشرح پروگرام اور ایک سادہ سا نمونہ کا پلین تیار کیا جائے اور متعلقہ دیہات کو مدارس کی تعمیر اور وقتاً فوقتاً ان کی مرمت کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ابتدائی مدارس کے ساز و سامان کے متعلق موجودہ انتظامات بظاہر تسلی بخش ہیں۔

ابتدائی مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو ہے اور مسٹر شارپ نے بھی یہی تجویز کیا تھا۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر شارپ کی سفارشات کے مطابق لڑکوں کو شکستہ کی تعلیم بھی دی جائے۔ اس کے علاوہ پٹوار کے کاغذات پڑھنے کی تعلیم بھی دیہاتی لڑکوں کیلئے بہت معاون ثابت ہوگی۔ مسٹر شارپ نے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں جس دوسرے معاملہ پر زور دیا وہ یہ ہے کہ ملاؤں یعنی عربی مدرسوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ ملاؤں کا کام یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کو ابتدائی مذہبی مسائل کی تعلیم دیں۔ مسٹر شارپ کے زمانہ میں ریاست نے ۳۰۰ مدارس کیلئے ۸۰ ملّاں ملازم رکھے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے سفارش کی تھی کہ موجودہ ۳۰۰ مدارس کے ملاؤں کی تعداد میں ایک سو کا اضافہ کیا جائے اور جو نئے مدارس کھولے جائیں ان میں سے دو تہائی میں ملّاں ہونے چاہئیں یعنی ملاؤں کی مجموعی تعداد ۸۰۰ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ مسٹر شارپ نے صاف صاف اِس بات پر زور دیا تھا کہ ملّاں زیادہ تر اسی مرکز میں مفید ہو سکتے ہیں، جہاں وہ اقامت رکھتے ہوں۔ اور جہاں ان کو رسوخ اور اثر حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر ملاؤں کو غیر ضروری تبادلوں کا تختۂ مشق نہ بنایا جائے۔ عام طور پر جہاں تک ممکن ہو سارے ابتدائی مدارس میں اسی اصول پر عمل کیا جائے۔

مسٹر شارپ کے وقت سے اب تک عربی ٹیچروں کی تعداد میں صرف ۱۷ کا اضافہ ہوا ہے اور اب محکمہ تعلیم کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان کی مجموعی تعداد ۹۷ ہے۔ لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ

(الف) حکام تعلیم ملاؤں کی تعداد مسٹر شارپ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق حتی الوسع جلد سے جلد بڑھائیں اور

(ب) جہاں تک ممکن ہو ملاؤں کے تبادلے نہ کئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے تبادلے اکثر ہوتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملّاں ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

کمیشن اس کو ایک بڑا اہم معاملہ سمجھتا ہے کہ دیہاتی مدارس میں حتی الامکان ایسی تعلیم دی جائے جس سے طلبہ کو اپنے معمولی پیشہ میں مدد مل سکے۔ نمبردار، ذیلدار اور ریاست کے عہدیدار حتی الامکان ابتدائی تعلیم کی نشر و اشاعت کو اپنا فرض عین سمجھیں۔

مڈل سکول

کہا جاتا ہے کہ مسٹر شارپ کے زمانے میں مڈل سکولوں کی تعداد ۳۷ تھی اور اب ۵۹ ہے جن میں ۶ غیر سرکاری مدارس بھی شامل ہیں۔ ان میں سے ۳۲ مدارس جموں میں اور ۲۷ کشمیر میں واقع ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر شارپ نے مڈل سکولوں کے متعلق جو سفارشات کی تھیں، ان پر عمل کیا گیا ہے۔ یہ بھی

معلوم ہوا ہے کہ جموں اور کشمیر بھر میں سرکاری مڈل سکولوں کے لئے جگہ کا کافی انتظام ہے۔ یہ مدارس زیادہ تر کرایہ کے مکانات میں واقع ہیں۔ ان میں حسب ضرورت زائد عملہ مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ طلباء کی کثرتِ تعداد سے پڑھائی میں ہرج نہ ہو۔ الاؤنسوں کو شامل کر کے استادوں کی تنخواہ میں اضافہ کیا گیا ہے۔ حکومت نے خالص تنخواہوں کی نظرِ ثانی کا کام مالی مشکلات کی وجہ سے ملتوی کر رکھا ہے۔

ہائی سکول

مسٹر شارپ کی رپورٹ میں مذکور ہے کہ تین امدادی ہائی سکولوں کو بتفصیلِ ذیل مالی امداد دی جاتی تھی۔

(الف) سی ایم ایس ہائی سکول سری نگر	۴۶۰۰ روپیہ
(ب) اسلامیہ ہائی سکول سری نگر	۳۰۰۰ روپیہ
(ج) آر سی ہائی سکول بارہ مولا	۴۳۸۰ روپیہ
میزان	۱۱۹۸۰ روپیہ

مسٹر شارپ نے رائے دی تھی کہ ان امدادی رقوم میں مجموعی طور پر دس ہزار روپیہ کا اضافہ کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ریاست جموں و کشمیر میں اس معاملہ میں حکومت کے فراخدلی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ریاست کے سرکاری مدارس میں فیسوں کے نہ ہونے کی وجہ سے غیر سرکاری مدارس کافی فیس نہیں لے سکتے۔ اس وقت متعلقہ مدارس کو حسب ذیل تفصیل سے مالی امداد دی جاتی ہے۔

(الف) سی ایم ایس ہائی سکول سری نگر	۱۵۴۱۵
(ب) اسلامیہ ہائی سکول سری نگر	۹۸۶۹
(ج) آر سی ہائی سکول سری نگر	۸۰۶۶
میزان	۳۳۳۵۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر سرکاری مدارس کو سرکاری امداد دینے کے معاملہ میں نہ صرف مسٹر شارپ کی سفارشات کی تعمیل کی گئی ہے بلکہ ان سے کہیں زیادہ عمل کیا گیا ہے۔ جہاں انہوں نے سفارش کی تھی کہ ان تینوں سکولوں کو مجموعی طور پر ۲۲ ہزار روپیہ امداد دی جائے وہاں موجودہ مالی امداد کی مقدار ۳۳ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ مالی امداد کے ریاستی قواعد کی پنجاب کے قواعد کے مطابق ترمیم کی گئی ہے۔ اور بعض پہلوؤں سے تو یہ اُن سے بھی نرم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان قواعد کے مطابق سکولوں کو جو مالی امداد دی جاتی ہے اس کی مجموعی رقم حسب ذیل ہے۔

اسلامی مدارس	۵۲۹۷۶ روپے

ہندو مدارس ۲۵۱۷۵ روپے

مشنری مدارس ۴۴۰۸۴ روپے

میزان ۱۲۲۲۳۴ روپے

مسٹر شارپ کی رپورٹ میں اعداد و شمار سے یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ ان کے زمانہ میں ان مدارس کو کیا امداد ملتی تھی۔

مسلمانان جموں نے درخواست کی ہے کہ ہمیں اسلامیہ ہائی سکول کی تعمیر کے لئے زمین کی از حد ضرورت ہے۔ وہ گنڈوری چھاؤنی کے موقعہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ بظاہر ان کی درخواست ہمارے روا ز غور کی مستحق ہے۔ سکول کی تعمیر میں سرکاری قواعد امداد کے مطابق امداد دیجائے۔ اس وقت سرکاری ہائی سکولوں میں مسلم طلباء کی تعداد ۳۶۶۳، اور غیر مسلم طلبا کی ۵۶۸۳ ہے۔ مسٹر شارپ کے وقت سے اب تک مسلم طلبا کے تناسب میں خاص اضافہ ہوا ہے۔ اس بات کی احتیاط کی جائے کہ تعلیم کے معاملہ میں مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے حوصلہ افزائی ہو۔ مسٹر شارپ کی سفارشات کے مطابق مڈل سکولوں اور ہائی سکولوں کی تعمیر کا ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کیا جائے اور تمام اہم مقامات کی ضروریات کا مناسب لحاظ رکھا جائے۔

۴۔ کالج

کالجوں میں تشفی بخش ترقی ہوئی ہے۔ بحیثیت مجموعی موجودہ ضروریات کے لئے جگہ کا کافی انتظام ہے۔ شکایت کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو سری پرتاپ کالج سری نگر کی سائنس کلاسوں میں داخلہ کا مناسب موقع نہیں دیا جاتا۔ ان جماعتوں میں جگہ محدود ہونے سے داخلہ بھی محدود ہے۔ ان میں کل ۱۴۵ طلباء پڑھتے ہیں جن میں سے ۱۸ مسلمان ہیں۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ جموں کے کالج میں جہاں اس قسم کی کوئی پابندی نہیں سائنس پڑھنے والے مسلم طلبا کا تناسب اس سے بھی کم ہے۔ یعنی ۱۳۲ طلباء میں سے ان کی تعداد صرف ۱۴ ہے۔ سرینگر کے کالج کا پرنسپل اس بات کا خیال رکھے کہ مسلمانوں کو داخلہ کا مناسب موقع حاصل ہو۔ علیٰ ہذا القیاس مدارس کا مسلمان انسپکٹر ان سکولوں کی سائنس کلاسوں میں جہاں داخلہ محدود ہے دلچسپی لے۔ مسلمان انسپکٹر کے تقرر پر عنوان نمبر ۱ کے ماتحت بحث کی گئی ہے۔

۵۔ وظائف

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر شارپ کے زمانہ میں ریاست نے مسلمانوں کے لئے ۳۲۰۰ روپے کے وظائف مختص رکھے ہوئے تھے۔ یہ رقم ان ۱۴۶۵ روپوں کے علاوہ ہے جو طالب علم لڑکیوں کو وظائف میں دیئے جاتے ہیں مسٹر شارپ نے سفارش کی تھی کہ اس رقم میں ۲ ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ کر دیا جائے۔

محکمہ تعلیم نے جو اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ پانچ سال میں مسلمانوں کے وظائف پر فی الحقیقت کتنا خرچ کیا گیا اور بجٹ میں ان کیلئے کتنی رقم منظور کی گئی تھی۔ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

سال	بجٹ کی رقم	صحیح خرچ
۱۹۲۷ - ۲۸	۲۱۰۰	۱۱۰۳
۱۹۲۸ - ۲۹	۴۲۰۰	۴۰۷۲
۱۹۲۹ - ۳۰	۷۲۰۰	۶۴۸۶
۱۹۳۰ - ۳۱	۱۹۴۰۰	۱۶۳۲۱
۱۹۳۱ - ۳۲	۲۳۳۲۰	نامعلوم

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مسٹر شارپ کی سفارشات پر کئی سال تک مناسب غور نہیں ہوا تاہم اب ان پر بخوبی عمل کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو جو مالی امداد دی جاتی ہے، اس کی تعداد اس سے چار گنا ہے، جس کے لئے مسٹر شارپ نے سفارش کی تھی۔ موجودہ رقم بالکل کافی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات کی طرف ضرور توجہ دینا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ:

(الف) مسلمانوں کے مخصوص وظائف اور

(ب) قابلیت وغیرہ کے وظائف ۔ ۔ ۔ میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

اس وقت مسلمانوں کے مخصوص وظائف کی رقم دوسری قسموں کے وظائف سے بہت زیادہ ہے۔ معلوم نہیں کہ ایسی حالت کیوں ہے لیکن کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی دلائل بھی پیش کئے جاتے ہیں کہ اس صورت حال کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان کامیابی کے ساتھ دوسرے وظائف کے لئے مقابلہ کر سکتے ہیں، ان کی توجہ ان مخصوص اسلامی وظائف کی طرف پھیر دی جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی وظائف اور لیاقت و قابلیت کے وظائف کی رقم ایک ہی ہو۔ اس طرح مخصوص اسلامی وظائف ان مسلمانوں کے لئے مختص رہیں گے جو عام مقابلہ کے وظائف حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ مڈل سکولوں کی بجائے ہائی سکولوں اور کالجوں کے لئے مخصوص اسلامی وظائف کی رقوم کا تناسب بڑھا دیا جائے۔ تاکہ اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ ہر سال درس گاہوں کی انفرادی ضروریات کو مدنظر رکھ کر ان میں مسلمانوں کے وظائف کی رقم تقسیم کی جائے۔

تمام اقوام کو معافی فیس میں جائز و مناسب حصہ ملنا چاہیے اور مقررہ قواعد کی مناسب تعمیل کا خاص خیال رکھا جائے۔

وظائف یتامٰی میں بھی تمام اقوام کو جائز حصہ دیا جانا چاہیے محکمہ تعلیم نے جو تازہ ترین اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۰ طلباء کو وظائف یتامٰی دیئے گئے ہیں۔ جن میں ۱۴۸ ہندو اور صرف ۴۲ مسلمان تھے۔ یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ جن وظائف کو اب "گئو رکھشا وظائف" کہا جاتا ہے، ان کو وظائف یتامٰی میں ملا دیا جائے۔ اس لئے کہ بظاہر ان وظائف کا گئو رکھشا سے کوئی تعلق نہیں۔ محکمۂ تعلیم نے جو خط و کتابت مہیا کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گئو رکھشا وظائف کا حقیقی منشا یہ تھا کہ مذہب و ملت کی تمیز کے بغیر یتیم اور غریب طلباء کو امداد بہم پہنچائی جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عملی طور پر صرف ایک ہی قوم کو ان وظائف سے فائدہ پہنچایا جاتا رہا ہے۔

یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مخصوص اسلامی وظائف . . . . . کی موجودہ رقم مذکورہ بالا بیان کے مطابق ۲۳۴۲۰ روپے ہے اور دیگر وظائف کی رقوم جو خاص خاص اقوام کیلئے مخصوص رکھے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

راجپوت	۴۸۵۰	روپے
سکھ	۲۸۸۰	
پست ذاتیں	۸۰۰۰	

معلوم ہوا ہے کہ ریاست کے سرکاری وظائف نہ صرف سرکاری سکولوں بلکہ امدادی سکولوں میں بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

۶۔ نارمل سکول اور اساتذہ کی تربیت

مسٹر شارپ کے زمانہ میں سری نگر کے نارمل سکول کے علاوہ ریاست بھر میں کوئی نارمل سکول نہ تھا۔ اب سرینگر اور جموں دونوں مقامات میں نارمل سکول ہیں اور اودھم پور، مظفر آباد اننت ناگ، گلگت، لداخ اور سکردو میں ٹریننگ کلاسیں کھلی ہوئی ہیں۔ جہاں بالخصوص ملاؤں کو تربیت دی جاتی ہے۔ ایک سو طلباء کے لئے دس دس روپے کے وظائف کا انتظام کیا گیا ہے۔ ٹریننگ کے لئے بظاہر یہ رقم تشفی بخش ہے۔ تاہم سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ابتدائی (پرائمری) مدارس کا تعلق ہے، استاد کی قابلیت کا معیار میٹریکولیٹ (انٹرنس پاس) کی بجائے مڈل پاس مقرر ہونا چاہیے۔ مسٹر شارپ کا بظاہر یہ خیال تھا کہ لازمًا مڈل پاس ہی ٹیچر مقرر کرنے پر اصرار نہ کیا جائے۔ کیونکہ ورنیکولر مڈل سکول پاس اکثر اوقات پرائمری سکولوں کے بہترین استاد ثابت ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو، دیہاتی سکولوں کے استاد ایسے دیہاتی ہونا چاہییں

جن کا تعلق اکثریت رکھنے والی قوم سے ہو۔

مسٹر شارپ کے زمانہ میں ۱۸ استادوں کو ریاست کے باہر ٹریننگ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اب ان کی تعداد گھٹا کر ۱۰ کر دی گئی ہے۔ ثانوی مدارس سے زیادہ ابتدائی مدارس کی توسیع اہم ہے۔ اس لئے ٹریننگ کے معاملہ میں ابھی کسی ترقی کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ سوال بھی توجہ کا مستحق ہے کہ امدادی مدارس کو اپنے اساتذہ کے تربیت دینے میں امداد دی جائے۔

۷۔ طبی نگہداشت

طبی نگہداشت کے موجودہ انتظامات کافی معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت دو ڈسپنسریاں صرف طلبا کے لئے مخصوص ہیں۔ ان میں سے ایک سرینگر اور دوسری جموں میں ہے۔ دونوں اسسٹنٹ سرجنوں کے ماتحت ہیں۔ منتخب مضافاتی مراکز کی ڈسپنسریوں کے میڈیکل افسروں کو طلبا کا طبی معائنہ کرنے کے لئے ۸ روپیہ فی صد طلبا کے حساب سے الاؤنس دیا جاتا ہے۔

۸۔ صنعتی سکول

مسٹر شارپ کے زمانہ میں صرف ایک ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ تھا۔ جو سرینگر میں واقع تھا۔ اب سری نگر جموں، اننت ناگ، بارہ مولا، میرپور، کشتواڑ اور سانبہ اور بھدرواہ میں بھی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کھل گئے ہیں اکثر شکایت کی جاتی ہے کہ سری نگر کا ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ناقابل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس انسٹی ٹیوٹ کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سپرنٹنڈنٹ میں ضروری اوصاف نہیں ہیں۔

مسٹر شارپ نے صنعتی تربیت کے معاملہ میں حسبِ ذیل سفارشیں کی تھیں جن پر غور کیا جانا ضروری ہے

(الف) دستکاروں کے بیٹوں کو لکڑی وغیرہ کے کام میں تربیت دی جائے۔

(ب) مسلمان طلباء کو خاص وظائف دیئے جائیں۔ اور

(ج) اگر دستکاروں کے بیٹے بے علم ہوں تو ان کو تین آر (3 R) کی معمولی تعلیم دی جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر سہ سفارشات پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔ کشمیری پنڈت درخواست کرتے ہیں کہ صنعتی تعلیم کے معاملہ میں ہم سے خاص سلوک کیا جانا چاہیے۔ اس لئے کہ جب ہماری قوم کو کلرکی کی اسامیوں میں کم حصہ ملے گا تو ہمیں ملازمت کے لئے کوئی اور ذریعہ اختیار کرنا پڑے گا۔ سفارش کی جاتی ہے کہ دیگر اقوام کی طرح پنڈتوں کو بھی اس معاملہ میں مناسب موقعہ دیا جائے۔ اور اگر وہ صنعتی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا رجحان ظاہر کریں تو ان سے خاص سلوک روا رکھا جائے۔ لیکن بظاہر یہ فرض کرنے

کی کوئی وجہ نہیں کہ پنڈت دوسرے طلباء کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسٹر سی ایف اینڈریوز، سرامر سنگھ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے سپرنٹنڈنٹ تھے تو انسٹی ٹیوٹ کے قابل ترین طلباء پنڈت ہی ہوتے تھے۔

۹۔ گرلز سکول

مسٹر شارپ کے زمانہ میں ریاست کے گرلز سکولوں کی تعداد ۱۱۶ تھی اور انہوں نے سفارش کی تھی کہ ۱۱۶ اور سکول کھول دیئے جائیں۔ اب کہا جاتا ہے کہ ریاست میں گرلز سکولوں کی تعداد حسب ذیل ہے ۔

ہائی سکول	۲
مڈل سکول	۱۴
پرائمری سکول	۱۲۸
میزان	۱۴۴

مسٹر شارپ نے سفارش کی تھی کہ لڑکیوں کے وظائف کے لئے ایک ہزار روپے کی رقم منظور کی جائے ۔ اس وقت لڑکیوں کو ۵۶۰۰ روپیہ وظائف میں دئے جاتے ہیں۔ جن میں بیوگان کے وظائف بھی شامل ہیں۔

استانیوں کی ٹریننگ کے متعلق مسٹر شارپ کی سفارشات سے بڑھ کر کام کیا گیا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اب اس مد میں ۱۲۱۴۴ روپیہ منظور ہوا ہے ۔ حالانکہ مسٹر شارپ نے ۱۵۰۰ روپیہ کی سفارش کی تھی۔ اب کہ تعلیم نسواں بعض مقامات میں لازمی قرار دی گئی ہے، ٹریننگ کے وظائف کی رقم کو بڑھانا ضروری ہوگا بیوگان کے وظائف اور دیگر تمام وظائف کے لئے تمام اقوام کو مقابلہ کا جائز و مناسب موقعہ دیا جانا چاہیئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں کسی ایک قوم کی آبادی کا غلبہ ہے وہاں اسی قوم کی استانیوں کی اکثریت ہو۔ لیکن ساتھ ہی دوسری اقوام کے مفاد کا حتی المقدور خیال رکھا جائے۔

جن مدارس میں مسلمان لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے، وہاں مذہبی تعلیم بھی دی جانی چاہیئے ۔ اگر کہیں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم بھی اس قسم کی سہولتوں کی خواہشمند ہو تو اس کے لئے بھی ایسے ہی انتظامات کئے جائیں۔ پردہ کا ایسا انتظام ہو کہ اس سے مسلمان بچوں کے والدین کے جذبات و احساسات کو صدمہ نہ پہونچے ۔ لڑکیوں کے سکولوں میں ذریعہ تعلیم کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری سکولوں میں بالعموم اردو ذریعہ تعلیم ہو اس لئے کہ اردو عدالتی زبان ہے ۔ جہاں فرقہ وارانہ مدارس کی ضرورت ہو اور کوئی جداگانہ سکول کھولا جائے یا جہاں ہندو لڑکیوں کے لئے آسانی کے ساتھ جداگانہ جماعتیں کھولی جاسکتی

ہیں وہاں ہندی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مقامی ہندو آبادی اس کی خواہش مند ہو۔

۱۰۔ مسلمان اساتذہ اور عملہ کا تناسب

مسٹر شارپ کی رپورٹ سے معلوم نہیں ہوتا کہ جب انہوں نے ریاست کا دورہ کیا تو مسلمان اساتذہ وغیرہ کا صحیح تناسب کیا تھا۔ لیکن اب محکمہ تعلیم نے جو اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال ان کا تناسب یہ ہے:۔

	مسلمان	مجموعی تعداد
ٹیچر	۷۱۸	۲۲۰۱
سرکاری مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹر	۳	۴۹
سرکاری ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹر	۱	۱۵
کالجوں کے پروفیسر	۴	۳۳
ڈیمانسٹریٹر	۱	۸
معائنہ کرنے والا عملہ	۳	۱۴
گزیٹیڈ افسر	۴	۲۷

پس ظاہر ہے کہ مسلمان ملازمین کی تعداد افسوسناک حد تک کم ہے۔ اس صورتِ حال کے تدارک کی کوشش کی جائے۔ مسٹر شارپ نے سفارش کی تھی کہ خالص اسلامی دیہات میں مسلمان ہیڈ ماسٹروں کی تعداد بڑھا دی جائے۔ اور اس مقصد کے پیشِ نظر نارمل سکولوں اور ٹریننگ کلاسوں میں مسلمانوں کے لئے وظائف کا کافی انتظام کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں ٹریننگ کلاسوں کے مسلمان وظیفہ خواروں کی تعداد ۱۳۲ غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ۲۷ تھی۔ مسٹر شارپ کی سفارشات پر عمل پیرا ہونے کیلئے مناسب ہے کہ خالص اسلامی قصبات اور دیہات کی ایک فہرست تیار کی جائے اور حکام تعلیم ٹریننگ کے وظائف کا کوئی ایسا انتظام کریں کہ اگلے دس سال کے عرصہ میں کافی تعداد میں مسلمان اساتذہ کو تربیت دی جا سکے۔ حسبِ موقعہ وظائف کی تعداد بڑھا دی جائے۔ تاکہ جہاں کہیں ضرورت ہو، کافی تعداد میں غیر مسلم استادوں کو وظائف دیئے جا سکیں۔ ہائی سکولوں کے مسلمان استادوں اور کالجوں کے مسلمان پروفیسروں کی تعداد بڑھانے کی بھی ضرورت ہے۔ قابلیت کے مفاد کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کالجوں میں انگریزی کے سینئیر پروفیسر انگلستان کی کسی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوں۔ فہرست موصولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وزیرِ تعلیم کے سیکریٹریٹ میں جو سیکریٹری سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ اہلکار تک ۱۲ عہدوں پر مشتمل ہے، ایک بھی مسلمان نہیں۔ اس سے بین طور پر منکشف ہوتا ہے کہ محکمہ مذکورہ

میں نہایت افسوس ناک اور ناگوار صورتِ حال ہے۔ اور اس محکمہ میں مسلمان ملازمین کی تعداد بڑھانے کے متعلق مسٹر شارپ کی سفارشات پر عمل نہیں کیا گیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس انسپکٹران تعلیم کے دفاتر میں مسلمانوں کی تعداد نا کافی ہے۔ اس کے انسداد کے لئے تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ یہ بتا دینا بھی عین مناسب ہے کہ گذشتہ سات سال سے محکمہ تعلیم ایک مسلمان وزیر کے ماتحت چلا آ رہا ہے۔

۱۱۔ خاص مسلمان انسپکٹر

مسٹر شارپ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دورہ کے وقت مسلمانوں کی تعلیم کیلئے ایک خاص انسپکٹر تھا۔ اس وقت بھی ایک عہدے دار ہے جسے "اسسٹنٹ انسپکٹر برائے تعلیم مسلماناں" کہا جاتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ یا بارہ سال سے یہ عہدیدار اپنے حقیقی کام سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اور ایک خاص ڈویژن میں معمولی اسسٹنٹ انسپکٹر کے فرائض کی انجام دہی پر مقرر کیا گیا ہے۔ ایک خاص مسلمان کے تقرر کا معاملہ بڑا اہم ہے۔ اس لئے اس اسامی کی حتی الامکان جلد سے جلد تجدید کی جانی چاہیے۔ اس افسر کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام مدارج میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا بالعموم خیال رکھے۔ اور اس بات کو دیکھے کہ حکام ریاست نے جو پالیسی مقرر کی ہے اس کی مناسب تعمیل ہوتی ہے یا نہیں۔

مسٹر شارپ نے انسپکٹروں کے متعلق جس لائحہ عمل کا خاکہ پیش کیا ہے اس پر عمل کیا جانا چاہیے۔

۱۲۔ تنخواہ پر نظر ثانی

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر شارپ کی سفارشات کے مطابق پروفیسروں اور صوبہ جات کے انسپکٹروں اور نہایت ادنیٰ درجہ کے پرائمری ٹیچروں کی تنخواہوں میں معتدبہ اضافہ کیا گیا ہے۔ محکمہ تعلیم کے دیگر ملازمین کی اصل تنخواہ میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوا البتہ ان کے لئے قحط الاؤنس اور خاص الاؤنس منظور کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہ کے معاملہ میں ریاست کے دیگر محکموں کی نسبت محکمہ تعلیم زیادہ بدنصیب ہے۔ اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو، تنخواہوں کی نظر ثانی کے سوال پر غور کیا جائے۔

۱۳۔ علومِ مشرقی

شکایت کی گئی ہے کہ کچھ عرصہ سے وہ سرمایہ جو مشرقی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے منظور کیا گیا تھا صرف سنسکرت کی ترقی کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی سخت قابلِ اعتراض اور مذمت کے لائق ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور سنسکرت کے اساتذہ کی تنخواہیں حتی المقدور یکساں کر دی جائیں۔ بشرطیکہ ان کی قابلیتیں بھی یکساں ہوں۔

۱۴۔ کالجوں میں رسائل

درخواست کی گئی ہے کہ کالجوں میں اسلامی رسائل کی تعداد بڑھا دی جائے۔ کمیشن کا خیال یہ ہے کہ کالجوں کو جو اخبارات اور رسائل مہیا کئے جاتے ہیں، وہ حتی الامکان غیر فرقہ وارانہ ہونے چاہیئں۔

۱۵۔ سرحد

تجویز پیش کی گئی ہے کہ گلگت اور لداخ کے سرحدی اضلاع کے مڈل سکولوں کو ہائی سکول بنا دیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تجویز پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ بیرونِ ریاست کی یونیورسٹی کے حکام سے مقررہ امتحانات سرحدی اضلاع میں منعقد کرنے کا انتظام ہونا ناممکن ہے۔

اب خاص سرحدی وظائف منظور کئے جاتے ہیں۔ سالِ رواں کے بجٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مڈل سکولوں کے وظائف کے علاوہ سرحدی وظائف کے لئے ۱۸۲۰ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔ مالی حالات اجازت دیں تو اس رقم کو بڑھا دینا چاہیے۔ اس لئے کہ بعض سرحدی اضلاع تعلیم میں بالکل پسماندہ ہیں۔ گلگت اور لداخ میں حرفتی سکول کھولنے کی تجویز بھی قابلِ غور ہے۔ اس لئے جب ریاست کو مالی حالات اجازت دیں تو اس تجویز پر ضرور غور کیا جائے۔

بدھ دھرم کے پیروؤں نے شکایت کی ہے کہ بدھی کی کافی تعلیم نہیں دی جاتی۔ حالاں کہ یہ لداخ کی مشترکہ زبان ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب پرائمری مدارس میں بدھی زبان پڑھائی جاتی ہے۔ اور مڈل جماعتوں میں یہ اختیاری مضمون قرار دی گئی ہے۔ لیکن یہ شکایت جائز سی ہے کہ بدھی میں کتب نصاب مہیا نہیں کی جاتیں۔ جہاں تک جلد ممکن ہو اس نقص کی اصلاح کر دی جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ ریاست میں (بدھی زبان کی) کتب نصاب تیار ہو چکی ہیں اور اب صرف ان کی طباعت کی ضرورت ہے۔

۱۶۔ پست ذاتیں

فی الحال پست ذاتوں کے طلباء کے لئے آٹھ ہزار روپیہ منظور کیا گیا ہے۔ اب تمام پست ذات طلباء سرکاری اور امدادی مدارس میں تعلیم پا سکتے ہیں۔ پست ذاتوں میں تعلیم کی نشر و اشاعت پر مناسب توجہ دینی چاہیے۔

جن مسائل کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان میں حسب ذیل معاملات کی طرف خاص توجہ منعطف کی جائے۔ تاکہ تعلیم کے معاملہ میں مسلمانوں کی خاص طور پر امداد کی جائے۔

(الف) پرائمری سکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

(ب) مسلمان اساتذہ جن میں ملاّں بھی شامل ہیں، کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

(ج) اسلامی اور دیگر وظائف کی رقوم یکساں مقرر کی جائیں۔

(د) ایک خاص مسلمان انسپکٹر مقرر کیا جائے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ حکامِ ریاست نے مسلمانوں کی تعلیمی تمنّا میں کوئی کام نہیں کیا۔ یہی دیکھ لو کہ انہوں نے اسلامی درس گاہوں کو امدادی رقوم کی صورت میں بہت مدد دی ہے۔ اور اب وظائف کی صورت میں مسلمان طلباء کے لئے کثیر رقم منظور کی گئی ہے۔ جو لوگ خامیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں کو جو فوائد حاصل ہوئے ان کو بھی تسلیم کریں۔ "عیب سے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔" مسٹر شارپ کے وقت سے ابتک ریاست جموں و کشمیر کے سالانہ تعلیمی اخراجات ۶۹۴۹۲۰ روپے سے ۱۸۲۶۴۸۹ روپے تک پہنچ گئے ہیں۔

باب چہارم

سرکاری ملازمتیں

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرکاری ملازمت کے معاملہ میں مسلمانوں کو جو آبادی میں بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں، کافی نیابت حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ بعض چھوٹی اقلیت والی اقوام کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے موجودہ تناسب کے متعلق بعض نہایت دلچسپ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

شعبہ انتظامی

محکمہ	غیر مسلم	مسلم
تعمیراتِ عامہ	۱۸۳	۵۴
الیکٹریکل و مکینیکل	۴۷	۳
ٹیلیگراف و ٹیلیفون	۷۲	۷
کسٹم (اسسٹنٹ محاللدار اور اس سے اوپر)	۱۹۵	۱۴
مال (وزرائے وزارت و تحصیلدار)	۶۷	۲۲
مال (گرداور اور پٹواری) میرپور	۱۳۱	۳۱
مال (گرداور اور پٹواری) ریاستی	۸۵	۹

	محکمہ	غیر مسلم	مسلم
کلیریکل	فنانس	۳۶۸	۲۹
	محکمہ تعمیراتِ عامہ	۱۹۴	۳
	عدالت	۱۶۲	۲۱
ادنیٰ ملازم	محکمہ تعمیراتِ عامہ	۱۲۰	۲۳
	کسٹم	۳۱۴	۱۰۸
	سٹیشنری ڈپو اور چھاپہ خانہ	۶۶	۵

مذکورہ بالا اعداد و شمار متعلقہ محکمہ جات سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ موجودہ حالات میں یہ بالکل صحیح (اپ ٹو ڈیٹ) ہیں۔ افسوس ہے کہ تمام محکموں اور اضلاع کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے جو صورتِ حال ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی بالعموم یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ قابل مسلمان نہیں ملتے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ مشکل بہت حد تک موجود ہے۔ لیکن مسلمانوں نے جو حسبِ ذیل دلائل پیش کئے ہیں وہ توجہ کے لائق ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ :۔

(۱)۔ تعلیمی سہولتوں میں نقائص ہونے کے باوجود فی الواقع بہت سے قابل مسلمان مل سکتے ہیں۔ کمیشن کو ایک فہرست مہیا کی گئی ہے۔ جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ صوبہ کشمیر میں ۱۲، گریجویٹ اور ۱۳۳ میٹریکولیٹ یعنی انٹرنس پاس بیکار ہیں۔

(۲)۔ بعض ایسی مثالیں (مثال کے لئے دفتر وزیر تعمیراتِ عامہ اور گورنمنٹ پریس کو لیجئے) پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ناقابل (یا بے سند) غیر مسلم، گذشتہ چند سالوں میں ملازم رکھے گئے ہیں۔

(۳) قابل مسلمانوں کے حصول میں خواہ کتنی ہی مشکلات کا کیوں نہ سامنا کرنا پڑے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ادنیٰ ترین ملازموں کے معاملہ میں موجودہ تفاوت تناسب کیوں جاری رکھا جائے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ ریاست کے ہر محکمہ میں مسلمانوں کی کمی کا یہی حال ہے۔ مثال کے طور پر محکمہ نگرانی خوراک کو لیجئے۔ اس کے ادنیٰ ملازموں میں ۴۷ مسلمان اور ۱۲ غیر مسلم ہیں۔

یہ بڑے اہم دلائل ہیں۔ انہیں ہرگز فراموش نہ کیا جائے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ بعض اعلیٰ عہدہ داروں

نے جان بوجھ کر ہمیں ملازمت سے محروم کر رکھا ہے۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے ان تمام اسامیوں سے جو سرکاری دفاتر میں خالی ہوتی ہیں پردۂ اخفاء میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خالی اسامیوں کو رشوت لیکر یا کنبہ پروری کے طور پر خفیہ خفیہ پر کر دیا جاتا ہے۔

کمیشن کے خیال میں تعلیمی سہولتوں کے سوال کے علاوہ جس پر گذشتہ باب میں بحث کی گئی ہے، مندرجہ ذیل امور نہایت احتیاط سے غور کئے جانے کے لائق ہیں تاکہ تمام اقوام کے امیدواروں کو سرکاری ملازمت کا مناسب و جائز موقعہ حاصل ہو۔

(الف) کم سے کم قابلیتوں کا معیار غیر ضروری طور پر حد سے اونچا نہ رکھا جائے۔

(ب) تمام خالی اسامیوں کی مؤثر طریقہ سے تشہیر کی جائے۔ اور جو وظائف سرکاری ملازمت کے لئے تربیت دینے کی غرض سے مقرر کئے گئے ہوں ان کی بھی کافی تشہیر کیجائے۔

(ج) ملازموں کے تقرر کا ایک نظام بنانے اور اس نظام کی نگرانی کے لئے مشینری مہیا کرنے کی غرض سے ایسے مؤثر طریقے عمل میں لائے جائیں کہ کسی قوم کے جائز مفاد فراموش نہ ہونے پائیں۔

ان تین امور میں سے پہلے امر (یعنی کم از کم قابلیتوں) کے متعلق کمیشن یہ سفارش نہیں کرتا کہ مختلف اقوام کے لئے مختلف معیار ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اس قسم کے انتظام سے اس قوم کی جس سے بد قسمتی سے اس قسم کی رعایت روا رکھی گئی ہوگی ترقی رک جائے گی۔ رفتہ رفتہ صرف مقابلہ کے ذریعہ تمام ملازمتیں پر کرنے کا وقت بھی آجائے گا۔ لیکن موجودہ صورت حال کے پیش نظر کسی ملازمت کے لئے جس قدر قابلیت کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ سخت معیار نہیں مقرر کیا جانا چاہیے۔ اور جن لوگوں میں معیار سے بڑھ کر قابلیتیں ہیں ان کو جائز حقدار سمجھ کر ملازمت کا مستحق نہیں قرار دینا چاہیے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ سرکاری محکموں کے اہم شعبوں میں مختلف اسامیوں کے لئے تعلیمی قابلیتیں حسب ذیل مقرر ہونا چاہئیں۔ جو قابلیتیں یہاں تجویز کی گئی ہیں وہ ان معیاروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جو فی الحال مقرر ہیں۔

دفاتر سیکرٹریٹ اور دیگر تمام محکموں میں کلرکوں کی آسامیاں

محرر اور ورنیکولر کلرک .... مڈل پاس

دوسرے کلرک .... میٹریکولیٹ

اسسٹنٹ سیکریٹری اور اس سے بالاتر .... گریجوایٹ

مال	پٹواری	خواندہ
	گرداور	مڈل پاس
	نائب تحصیلدار	میٹریکولیٹ
	تحصیلدار اور اس سے بالاتر	گریجوایٹ
کسٹم	اسسٹنٹ محالدار اور محالدار	مڈل پاس
	اسسٹنٹ انسپکٹر	میٹریکولیٹ
	ڈپٹی انسپکٹر اور ان سے بالاتر	گریجوایٹ
جنگلات	فارسٹ گارڈ	کوئی خاص قابلیت نہیں۔
	فارسٹر	مڈل پاس
	رینجر	میٹریکولیٹ
	اسسٹنٹ کنسرویٹر اور ان سے بالاتر	گریجوایٹ
عدالت	منصف اور ان سے بالاتر	لا گریجوایٹ
جیل	وارڈر	کوئی خاص قابلیت نہیں۔
	ملازمین مطبع	مڈل پاس
پولیس	کانسٹبل	کوئی خاص قابلیت نہیں۔
	ہیڈ کانسٹبل	مڈل پاس
	سب انسپکٹر اور انسپکٹر	میٹریکولیٹ
	اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور ان سے بالاتر	گریجوایٹ
تعلیم	پرائمری سکولوں کے ٹیچر	مڈل پاس
	اسسٹنٹ انسپکٹر، انسپکٹر، ہیڈ ماسٹران ہائی سکول، پروفیسر اور ڈائریکٹر	گریجوایٹ اور مخصوص قابلیت علمی (حسب ضرورت)
	دوسری تعلیمی اسامیاں	جیسا محکمہ کا حاکم اعلیٰ یا اس سے بالاتر افسر مقرر کرے۔
میڈیکل	کمپاؤنڈر اور ٹیکا لگانیوالے	مڈل پاس
سیریکلچر	جونیئر اسسٹنٹ	میٹریکولیٹ

سینیئر اسسٹنٹ اور ان سے بالاتر ۔ ۔ ۔ ۔ گریجوایٹ

کواپریٹو سب انسپکٹر اور انسپکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میٹریکولیٹ

اسسٹنٹ رجسٹرار اور ان سے بالاتر ۔ ۔ ۔ گریجوایٹ

شکار اور رکھ چوکیدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی خاص قابلیت نہیں۔

ڈپٹی جمعدار اور جمعدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مڈل پاس

سرکاری ملازمت کے تمام شعبوں میں ٹیکنیکل قابلیتوں کے معیار کا دارومدار علم متعلقہ کی ضروریات پر ہوگا۔ عمر کی حد بدستور ۳۰ سال تک ہی رہے تو اچھا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خاص حالات میں حسبِ ضرورت ترمیمیں کر لی جائیں۔ مثلاً بیرونِ ریاست کی درسگاہوں میں جہاں امیدواروں کو ٹریننگ کے لئے بھیجا جاتا ہے، جو عمر مقرر کی گئی ہو، ریاست میں بھی وہی عمر مقرر کی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ موجودہ قواعد کے مطابق بلاتنخواہ اپرنٹسوں یا امیدواروں کو ملازمت میں لینے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی تجدید کرنا نامناسب ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے امیدواروں کے تقرر کا نہ صرف یہ نقصان ہے کہ ان کے کام کی عمدگی مشکوک ہوتی ہے بلکہ اس سے مناسب مقابلہ کی راہ میں بھی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

دوسرے معاملہ یعنی اسامیوں اور وظائف کی مناسب تشہیر کرنے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ حتی الامکان زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ ملازمتوں کے معاملہ میں اتنا ہی کافی نہیں کہ ان کے متعلق ریاست کے گزٹ میں اعلان شائع کئے جائیں۔ اس لئے کہ امیدواروں کی نہایت محدود تعداد کو اور بالخصوص ادنیٰ اور قلیل تنخواہ کی ملازمتوں کے متلاشیوں کو گزٹ پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ ایسے نمایاں مقامات پر جہاں اہل کارانِ سرکار اور عوام کو آمد و رفت کی یکساں آزادی ہو، اشتہارات کی نمائش کے لئے قطعی طور پر مقرر کر دیئے جائیں۔ ان اشتہارات میں موجودہ خالی اسامیوں کے متعلق پوری پوری معلومات درج ہونا چاہئیں۔

مقامی اسامیوں یعنی ان اہل کاروں کے عہدوں کے متعلق جن کو وزارتِ متعلقہ کی حدود سے باہر بار بار تبدیل نہیں کیا جاتا (مثلاً جنگلات کے گارڈوں، محکمہ شکار کے چوکیداروں، پٹواریوں وغیرہ کی اسامیاں)، اشتہارات تحصیل اور وزارت کے صدر دفتروں میں نمایاں جگہ پر چسپاں کئے جائیں۔ سرحدی اضلاع لداخ اور گلگت کی مقامی اسامیوں کے متعلق بھی یہی انتظام خوب رہے گا۔

جن دیگر افسروں کو بالعموم ایک ہی صوبہ میں فرائض کی انجام دہی پر مامور کیا جاتا ہے، ان کی خالی اسامیوں کے متعلق اشتہارات صرف صوبہ کے صدر مقام ہی میں چسپاں کئے جائیں۔ اس قسم کے اشتہارات چسپاں کرنے کے لئے سرینگر میں شیرگڑھی اور جموں میں منڈی مبارک بظاہر موزوں مقام ہیں۔ کسی اسامی کا احاطہ ایک صوبہ سے متجاوز ہوتا ہو یعنی اس اسامی کا تعلق جموں اور کشمیر دونوں سے ہو تو اشتہارات جموں اور سرینگر دونوں مقامات میں چسپاں کئے جانے چاہئیں۔

اشتہارات کے تختے (نوٹس بورڈ) کی ایک شیشے والے چوکھٹے سے یا اگر یہ کسی چھت یا سایہ کے نیچے ہو تو کم از کم تار والے چوکھٹے سے حفاظت کی جانی چاہیے۔

اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو اور اس کی بناء پر حکام اعلیٰ سے خاص منظوری حاصل نہ کی گئی ہو تو ان اشتہارات کی نمائش کم از کم بیس (۲۰) روز تک کی جائے یعنی اشتہارات کے اول بار چسپاں کرنے اور درخواستیں پیش کرنے کی تاریخوں میں کم از کم بیس روز کا وقفہ ہونا چاہیے۔

جو اشتہارات چسپاں کئے جائیں ان سب میں صاف صاف لکھ دیا جائے کہ عہدہ یا اسامی کا کیا نام ہے، کیا تنخواہ وغیرہ دی جائے گی۔ کم از کم کن قابلیتوں کی ضرورت ہے۔ اگر عمر کی حد مقرر ہے تو کتنی اور کس تاریخ تک درخواستیں پیش کی جائیں۔ ان کے علاوہ درخواستوں کی ترسیل کا پتہ بھی درج ہونا چاہیے۔ جن ملازمتوں کے لئے انگریزی کا جاننا ضروری نہیں ہے ان کے اشتہارات علاوہ الٰتی زبان اردو میں چسپاں کئے جائیں۔ جو درخواستیں اصالتاً پیش کی جائیں ان کی رسید دی جائے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ تمام ملازمتوں کے لئے جن میں ادنیٰ ترین ملازمتیں بھی شامل ہیں، یہی انتظامات ہونا چاہئیں۔ اعلیٰ حکام وقتاً فوقتاً اس بات کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھیں کہ اس معاملہ میں احکام کی پوری اور مناسب تعمیل کی جائے۔ یہ تجویز نامناسب معلوم ہوتی ہے کہ جن مقامات پر اشتہارات چسپاں کئے جاتے ہیں، ان کی مجوزہ تعداد بڑھا دی جائے۔ اس طرح نگرانی مشکل ہو جائے گی اور جس مقصد کے پیش نظر یہ طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ وہ فوت ہو جائے گا۔

جونہی اس طریقہ پر قطعی طور پر عمل درآمد شروع ہوا، ملازمت کے امیدواروں اور عام پبلک کو یہ معلوم کرنے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کرنا پڑے گا کہ اشتہارات کہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا طریقوں کی تشہیر کرنے کے علاوہ ادنیٰ ترین اسامیوں کے سوا تمام خالی ملازمتوں کے لئے ریاست کے ہفتہ وار گزٹ کی قریب ترین اشاعت میں اشتہار شائع کر دیا جایا کرے۔ اس طرح مجالسِ عامہ مثلاً امدادی ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹر اگر ان کی مرضی ہوئی تو گزٹ کے خریدار بن کر

باقاعدہ ملازمت کی منڈی کے حالات سے آگاہ رہیں گے۔ اگر اخبارات میں ملازمتوں کے متعلق اشتہارات دینے کی ضرورت ہو تو یہ اشتہار صرف ایک قوم کے مفاد کی نمائندگی کرنیوالے اخبارات و رسائل ہی میں شائع نہ کئے جائیں۔

جو وظائف وظیفہ خواروں کو سرکاری ملازمت کے لئے ٹریننگ دینے کی غرض سے مقرر ہوں، ان کو ریاست کے گزٹ میں مشتہر کیا جائے اور سرکاری ہائی سکولوں اور کالجوں اور تمام مجالسِ عامہ کو بھی جو ریاست کے امدادی ہائی سکولوں کی منتظم ہوں۔

تیسرے معاملے یعنی طریقۂ تقرر ملازمین کے بارے میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حال ہی میں ادنیٰ ترین ملازمتوں کے سوا باقی سب ملازمتیں ایک مجلس انتخاب (سلیکشن بورڈ) کے ذریعہ جو تین وزراء پر مشتمل ہے، پر کرانے کا جو انتظام کیا گیا ہے وہ ناکام ثابت ہوا ہے اور اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب تک مقررہ دستور کے مطابق سول سروس کا ایک بھی امتحان نہیں منعقد کیا گیا ہے اور نہ ہی ایسا امتحان آئندہ کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مختلف اسامیوں کے لئے، قطعی طور پر ضروری قابلیتیں مقرر کر دی جائیں۔ بورڈ کے ممبر اپنے فرائضِ منصبی میں اتنا مصروف رہے ہیں کہ وہ اپنے جدید فرائض کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اسامیوں کے پر کرنے میں بہت تاخیر واقع ہونے کی درجہ سے شکائتیں عام ہو گئی ہیں اور محکمہ میں بھی انتشار پیدا ہو گیا۔ اطلاع ملی ہے کہ یہ بورڈ ۱۹۳۰ء کے موسمِ خزاں میں مقرر کیا گیا تھا اور اس کے تقرر سے اب تک یعنی ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ۱۵۶، خالی اسامیاں پُر کرنے کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ لیکن حقیقی طور پر بورڈ نے صرف ۳۳ اسامیاں پُر کیں۔ اس بات کی کوئی امید نہیں کہ اس وقت تھوڑا کام کرنیوالا جو سلیکشن بورڈ (مجلسِ انتخاب) مقرر ہے۔ وہ وزراء کے دفاتر کی ادنیٰ ترین اسامیوں سے لے کر بڑی سے بڑی سرکاری اسامی تک کا انتظام کرنے میں کامیاب رہے گا۔ بورڈ ٹھیک طور پر ہرگز کام نہیں کر سکے گا۔ اس سے نہ صرف محکموں کے حکامِ اعلیٰ کے اختیارات اور اثر کو نقصان پہنچے گا بلکہ اس کی بدولت وزراء کی توجہ اپنے حقیقی فرائض سے ہٹ جائے گی۔ اور اس طرح بدنظمی (رشوت خوری) کے انسداد اور اعلیٰ نگرانی و انتظام کی راہ میں روڑے اٹکیں گے۔ ریاست کے لئے یہ بھی قطعی طور پر ناممکن ہے کہ وہ پورا وقت کام کرنیوالا ایک سلیکشن بورڈ بنا سکے۔ جس پر عوام کو اعتماد ہو۔ بنابریں اس سوال کا واحد عملی حل یہ معلوم ہوتا ہے کہ محکموں کے حکامِ اعلیٰ کو تقرر کے اختیارات دیئے جائیں۔ لیکن ساتھ ہی اس

امر کا کافی انتظام کیا جائے کہ یہ حکام اختیاراتِ مفوضہ کا ناجائز استعمال نہ کرنے پائیں۔

سفارش کی جاتی ہے کہ تمام محکموں کے اعلیٰ حکام کو (ما سوائے اُن حکام کے جن سے خاص طور پر یہ اختیار چھین لئے جائیں گے) اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے ماتحت سو روپے تک تنخواہ پانیوالے افسر مقرر کریں۔ محکموں کے منتخب حکام اعلیٰ کو اپنے ماتحت ہر قسم کے نان گزیٹڈ افسروں کے تقرر کا اختیار بھی دیا جائے۔

تمام محکموں کے حکام اعلیٰ کو صاف طور پر یہ بات ذہن نشین کرا دی جائے کہ جو مذکورہ بالا قلیل ترین قابلیتیں مقرر کی گئی ہیں، وہی معیاری قابلیتیں سمجھی جائیں۔ اور امیدواروں سے ان ہی قابلیتوں کا مطالبہ کیا جائے۔ ہر حالت میں جملہ اقوام کے جائز حقوق کا لحاظ کیا جائے۔ بشرطیکہ ان میں قابل امیدوار مل سکتے ہوں۔

سفارش کی جاتی ہے کہ جن افسروں کو تقرر کا اختیار ہو، وہ باقاعدہ اپنے حکام بالا کو ششماہی، رپورٹیں بھیجتے رہیں۔ جن میں حسب ذیل امور کی وضاحت کی گئی ہو:

(الف) ان تمام نئی اسامیوں کی تعداد جو پر کی گئی ہیں اور ان اسامیوں کے قابل امیدواروں کی فہرست اور ایک بیان جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہو کہ اشتہارات وغیرہ کے متعلق جو قواعد مقرر ہیں، ان کی مناسب تعمیل کی گئی ہے اور

(ب) ایک بیان جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ مدت زیر تنقید کے دوران محکمہ میں ہر قوم کے کتنے آدمی ملازم ہیں۔

اگر یہ ظاہر ہو کہ کسی محکمہ میں کسی خاص قوم کے حقوق کا مناسب خیال نہیں رکھا گیا تو اس محکمہ کے افسر اعلیٰ سے تقرر کے اختیار چھین کر تا حکم ثانی وزیر متعلقہ کو تفویض کر دیئے جائیں۔ جو اعداد و شمار اوپر دیئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محکمہ تعمیرات عامہ، محکمہ کسٹم اور محکمہ طباعت میں ایک خاص قوم کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اگر آئندہ حکام اعلیٰ کو یہ معلوم ہو کہ کسی محکمہ کا حاکم اعلیٰ اس معاملہ میں ریاست کی پالیسی کی تعمیل کرنے سے قاصر رہا ہے تو اس سے تقرر کے اختیار کا واپس لینا ہی مناسب اور ضروری ہوگا۔ تمام اعلیٰ حکام محکمہ جات کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی قسم کی ناجائز جانبداری ہرگز گوارا نہیں کی جائے گی۔

مجوزہ طریقہ کے مطابق ہر وزیر حتیٰ کہ وزیر اعظم کو بھی سرکاری ملازمتوں کے معاملہ میں ذاتی طور پر دلچسپی لینے کے قابل ہونا چاہیے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ وزیر اعظم کو ششماہی رپورٹ کے اعداد و شمار دکھا دیئے جایا کریں۔ اس سے زیادہ سخت انتظام کرنے سے اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ اس لئے

اس کے سوا کسی انتظام کی سفارش نہیں کی جاتی۔ البتہ اس قدر سفارش کی جاتی ہے کہ ہر سال ایک کتاب شائع کی جایا کرے جس میں بتایا گیا ہو کہ ہر محکمہ میں مختلف اقوام کے سرکاری ملازموں کی کیا تعداد ہے۔ یہ کتاب ہز ہائینس کے حضور میں پیش ہوا کرے اور اسے سرکاری دستاویز سمجھا جائے۔

جن گزیٹیڈ یا دوسری اسامیوں کی تنخواہ ایک سو روپے سے زیادہ ہے اور جن کے پُر کرنیکا اختیار خصوصی کسی افسر کو تفویض نہیں کیا گیا۔ ان کے تقرر کا اختیار ریاستی کونسل کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ وزیر متعلقہ معاملہ کونسل کے روبرو پیش کر دیا کرے اور ساتھ ہی اپنی سفارشات اور محکمہ متعلقہ کی موجودہ تشکیل کے متعلق مکمل معلومات بہم پہنچا دیا کرے۔

وظائف

سفارش کی جاتی ہے کہ سٹیٹ کونسل ٹریننگ کے وظائف کے لئے وزیر انچارج کی سفارش اور محکمہ متعلقہ کے حاکم اعلیٰ کے مشورے سے امیدوار منتخب کیا کرے۔ اگر موزوں امیدوار ملتے ہوں تو تمام اقوام کے جائز حقوق و مطالبات کا مناسب لحاظ رکھا جائے۔

براہِ راست تقررات

معلوم ہوا ہے کہ اسوقت دستور یہ ہے کہ سول سروس کے امتحانات مقابلہ کے ذریعہ ایک تہائی، نامزدگی سے ایک تہائی اور ترقی سے ایک تہائی خالی اسامیاں پُر کی جاتی ہیں۔ یہ امر مشتبہ سا ہے کہ آیا ان سخت قواعد پر پورا پورا عمل ہو سکتا ہے۔ جب آخر کار ہر قوم کو ریاستی ملازمتوں میں نمائندگی کا مناسب موقعہ دیا گیا تو مناسب ہوگا کہ تمام اسامیاں ترقی کے ذریعہ پُر کی جائیں۔ فی الحال خاص کر ان محکمہ جات میں جہاں کسی خاص قوم کے حقوق کا مناسب لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ ضروری ہوگا کہ بہت حد تک خالی اسامیاں غیر محکمانہ ذرائع سے پر کی جائیں۔ لیکن یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ عام طور پر کسی محکمہ میں پچاس فیصدی سے زائد نئی ملازمتیں انتخاب یا محکمانہ طور پر نامزدگی سے پُر کی جائیں۔ یہ اصول صرف نان گزیٹیڈ، اسامیوں کے متعلق ہے۔ نان گزیٹیڈ سے گزیٹیڈ عہدوں پر محض اس وجہ سے ترقی نہ دی جائے کہ امیدوار کو اس کی توقع تھی پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ کیا گزیٹیڈ اسامی کے لئے امیدواروں میں مقررہ اقل ترین قابلیت ہے بھی؟۔

مقامی ملازمتیں

فرقہ وارانہ سوال سے قطع نظر عام قابلیت اور لیاقت کے مفاد کی خاطر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقامی ملازمتوں مثلاً جنگلات کے چوکیداروں اور شکارگاہ کے چوکیداروں اور پٹواریوں وغیرہ کی

اسامیاں حتی الامکان متعلقہ ضلع کے مقامی باشندوں ہی سے پُر کی جائیں۔ بشرطیکہ وہاں موزوں امیدوار مل سکتے ہوں۔ ان اسامیوں کو پُر کرتے وقت بڑی بڑی اقوام کے مفاد کا مناسب لحاظ رکھا جائے۔ مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بعض فارسٹ رینجوں میں یہ افسوسناک رجحان پایا جاتا ہے کہ ان میں فارسٹ گارڈوں کی اسامیوں پر شہریوں کو زیادہ تعداد میں مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ نہایت نامناسب ہے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ اس معمول کا قطعاً انسداد کیا جائے۔ توقع کی جاتی ہے کہ جو اشخاص علاقہ متعلقہ کے رہنے والے ہیں وہ نہ صرف نہایت با اثر حاکم ثابت ہوں گے۔ بلکہ ان میں سے بہت کم افسر اپنے علاقوں کے دیہات کے خرچ پر مفت ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے عادی ہوں گے۔

بیرونی ملازمتیں

جہاں تک ممکن ہو ریاستی باشندوں کے لئے ریاستی ملازمتوں کی تخصیص کے متعلق ہز ہائی نس گورنمنٹ کی پالیسی پر عمل کیا جائے اور جن بعض محکمہ جات مثلاً محکمہ تعمیراتِ عامہ میں ریاستی ملازموں کا تناسب بہت ہی کم ہے وہاں ان کی تعداد بڑھانے کے لئے تدابیر عمل میں لائی جائیں اور اگر کسی محکمہ میں تخفیف ضروری ہو تو ریاستی باشندوں کے ترجیحی حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا جائے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مذکورہ بالا تجاویز کا مقصد یہ ہے کہ ہر قوم کو سرکاری ملازمت میں نمائندگی کا مناسب موقعہ دیا جائے۔ اگر ان تجاویز کو عملی جامہ پہنا دیا جائے اور مختلف اقوام ان سہولتوں سے جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہیں مناسب فائدہ اٹھائیں تو یقین ہے تھوڑے عرصہ میں حالات کی اصلاح ہو جائے گی۔ یکایک ریاست کی مشینری میں انقلاب پیدا کر دینا بالکل ناممکن ہے۔ اسی طرح سرکاری ملازمت میں ہر قوم کے لئے کوئی قطعی تناسب یا فیصدی مقرر کرنا از بس ناممکن ہے۔ مسلمانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ چوں کہ ہم آبادی کا ۷۸ فیصدی ہیں اس لئے ہمارے لئے ملازمتیں بھی اسی تناسب سے مخصوص کی جائیں۔ یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ ان کو جو مواقع دیئے جائیں گے ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرکاری ملازمت میں اپنی نمائندگی کا تناسب بڑھائیں۔ لیکن یاد رہے کہ کثیر تعداد مسلمانوں کا آبائی پیشہ زراعت ہے۔ اور یہ باور کرنا غیر معقول نہیں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی بہت بڑی اکثریت کسی اور پیشہ کی نسبت اسی پیشہ (زراعت) کو بدستور ترجیح دے گی۔ اگر کسی ایک قوم کو . . . . سرکاری ملازمت اپنے ہی لئے مخصوص رکھنے کی اجازت دینا مناسب نہیں۔ تاہم اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اس وقت بعض اقوام تعلیم کے معاملہ میں دوسری اقوام سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ مانا کہ بہت سے مسلمان گریجوایٹ اور میٹریکولیٹ بیکار ہیں۔ لیکن کشمیری پنڈتوں کے بیکاروں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہے۔ کمیشن کو جو

فہرستیں مہیا کی گئی ہیں ان کے مطابق صرف اس ایک قوم (یعنی کشمیری پنڈتوں) میں ۷۰ اگریجوایٹ اور ۳۱۹، میڈیکولیٹ بیکار رہیں۔ کشمیری پنڈت شاکی ہیں کہ ریاست کی ۲۴۳، گزیٹڈ اسامیوں میں سے (جن میں ۱۳۵ مسلم اور ۲۷۸ غیر مسلم ہیں) ہماری قوم کو صرف ۴۷ اسامیاں حاصل ہیں اور ان میں سے بھی ۱۷، پنڈت برطانوی ہند کے رہنے والے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کے مقابلہ میں جن کے صرف ۱۰ اشخاص گزیٹڈ افسر ہیں، کشمیری پنڈت گزیٹڈ افسران کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ پھر بھی یہ تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ کشمیری پنڈتوں کے لئے خاص طور پر وظائف مقرر نہیں کئے گئے۔ تاہم ان میں پچاس فیصدی سے بھی زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ یہ بہت بڑا تناسب ہے۔ کشمیری پنڈتوں میں خواندہ اشخاص کی تعداد باقی تمام اقوام سے زیادہ ہے۔ پنڈت کہتے ہیں کہ منشی گری اور وزارت ہمارا قدیم پیشہ ہے اور ہمیں اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعی بہت بڑی شکایت ہے۔ چند ماہ گزرے ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر نے کشمیری پنڈتوں کو اس کا جواب دیا تھا۔ وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ہز ہائی نس نے فرمایا:

"مجھے یقین ہے کہ سب سے پہلے تم یہ بات تسلیم کرو گے کہ جب دوسری اقوام تدریجاً ترقی حاصل کر رہی ہیں تو سرکاری ملازمتوں کے بارے میں تمہاری قوم کو زمانہ ماسبق میں جو منفعت بخش درجہ حاصل تھا وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں اس بات پر غور کرنا ضروری ہوگا کہ جن لوگوں کو سرکاری ملازمت میں نہیں لیا جا سکتا، ان کے لئے کون سے دیگر ذرائع جائز طور پر مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ اور اس سوال پر میری حکومت ہمدردانہ غور کرے گی"

ریاستی حکام اس پالیسی کا بڑا خیال رکھیں اور وہ صنعتی ترقی اور دیگر معاملات کے متعلق اس پالیسی پر حتی المقدور عمل کریں۔ کشمیری پنڈتوں کے علاوہ جو دوسری اقوام سرکاری ملازمتوں میں زیادہ حصہ لے رہی ہیں وہ اس حقیقت سے دوچار ہونے کے لئے پہلے ہی تیار رہیں کہ جب سرکاری ملازمتوں کے لئے مقابلہ کا میدان بہت وسیع ہو جائے گا تو ان کی روز افزوں آبادی کو تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

فوجی ملازمتیں

قریباً ہر قوم اور ہر حصہ ریاست کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ فوجی ملازمت میں ہمیں حصہ دیا جائے۔ اور اس میں ہماری نمائندگی بڑھائی جائے۔ اس وقت انتشارِ حالات کی وجہ سے یہ تجویز کہ ریاستی افواج میں جو فرقہ وارانہ تناسب ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ بالکل بے محل ہے۔ البتہ جونہی حالات اجازت دیں، اس سوال پر بڑی احتیاط سے غور کیا جائے۔

باب پنجم

مالیہ اراضی وغیرہ

۱۔ مالکانہ اور حقوقِ ملکیت

صوبۂ کشمیر میں ریاست زمین کی مالک ہے۔ وہاں مالکانہ کو مالیہ میں ملا دیا گیا ہے یعنی خالص مالیہ اراضی کے علاوہ اور کوئی مالکانہ کی رقم نہیں لی جاتی۔

لیکن صوبۂ جموں میں حالات کچھ اور ہی ہیں۔ ریاست کے بعض مقامات میں سرکار زمین کی مالک ہے اور بعض مقامات میں عوام مالک ہیں۔ ریاست مدت مدید سے بعض تحصیلوں سے مالکانہ لیتی رہی ہے۔ جہاں عوام میں سے کسی کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں وہاں اسی کو مالکانہ ادا کیا جاتا ہے۔ زمین پر جس درجہ کے کرایہ دار کا قبضہ ہو، اس درجہ کے مطابق مالکانہ لیا جاتا ہے اور جیسا کہ قانونِ زمینداری میں واضح کیا گیا ہے اگر کوئی ادنیٰ ترین درجہ کا کرایہ دار ہو تو اس صورت میں زیادہ سے زیادہ مالیہ اراضی کے نصف برابر مالکانہ وصول کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں تحصیل میرپور میں نیا دستور رائج کیا گیا ہے۔ اس تحصیل میں قریباً ساری کی ساری زمین ریاست کے قبضہ میں ہے۔ لیکن موجودہ بندوبست سے قبل جو گذشتہ سال یعنی ۱۹۸۷ بکرمی میں جاری کیا گیا تھا، کشمیر کی طرح اس تحصیل میں بھی مالکانہ کو مالیہ اراضی میں ملا دیا گیا تھا لیکن تازہ بندوبست کے بعد مالکانہ کو مالیہ سے جدا کر دیا گیا ہے۔ یعنی میرپور کی تحصیل کے ان حصوں میں جہاں ریاست زمین کی مالک ہے، مالیہ کے علاوہ مالکانہ نافذ کیا گیا ہے۔ تحصیل میں اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا ہے کہ زمینداروں کو اصل مالیہ یعنی ۲۶۴۳۰۵ روپے کے علاوہ ۲۶۲۵۲ روپے زائد دینا پڑے۔ یہ رقم مالیہ کی دس فیصدی کے برابر ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نئے دستور کے مطابق ریاست کو اُن مقامات میں جہاں اسے مالکانہ حقوق حاصل ہیں، مالکانہ حقوق رکھنے والے عام زمینداروں کے برابر درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ مانا کہ یہ تبدیلی اصولاً حق بجانب قرار دی جا سکتی ہے۔ لیکن عملی لحاظ سے اس سے طبعاً بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ جن لوگوں پر مالکانہ کا اثر پڑتا ہے، انہوں نے اس کو بالکل نیا ٹیکس تصور کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ دوسرے نئے ٹیکسوں کی طرح نہایت غیر ہر دلعزیز ثابت ہوا ہے۔ یہ بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل میرپور میں ریاست نے جو مالکانہ مقرر کیا ہے وہ معاف کر دیا جائے۔ لیکن اگر صرف تحصیل میرپور میں مالکانہ معاف کیا گیا تو صوبہ جموں کے جن حصوں میں اس قسم کی رعایت نہیں کی گئی ہوگی وہاں ناراضگی اور

بے اطمینانی پیدا ہو جائے گی۔ صوبہ جموں میں ریاست کو جو مالکانہ ادا کیا جاتا ہے اس کی مجموعی رقم ۴۷۲۵۰ روپیہ ہوتی ہے۔ اس عقدہ کا حل یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری مالکانہ بالکل منسوخ کر دیا جائے۔ البتہ زمینداروں کو جو مراعات عطا کی گئی ہوں اگر ان کے معاوضہ میں ہلکا سا نذرانہ لے لیا جائے تو نامناسب نہیں۔ جن دیہات میں گزشتہ چند ماہ میں افسوسناک فسادات رونما ہوئے ہیں، وہاں مالکانہ کی منسوخی اس وقت تک ملتوی رکھی جائے جب تک فساد کے ذمہ دار پشیمانی کے جذبہ کا مناسب ثبوت نہیں دیتے۔ وثوق کے ساتھ توقع کی جاتی ہے کہ حتی الامکان یہ کام جلد سے جلد سرانجام دیا جائے گا۔ سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں یہ ثابت ہو کہ کسی زمیندار نے حکام ریاست کی امداد کی ہے یا اس نے ان لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت کی ہے جو خطرہ میں گھرے ہوئے تھے تو اس سے نہ صرف مالیہ ہی نہ لیا جائے بلکہ اس کا نذرانہ بھی معاف کر دیا جائے۔

مالکانہ کے متعلق جو تجویز پیش کی گئی ہے اس پر عمل کرنے کے لئے ریاست کو بہت بڑی مالی قربانی کرنا ہوگی۔ لیکن اس سے صوبہ جموں کے مزارعین میں زیادہ اطمینان پیدا ہونے سے جو فائدہ ہوگا، وہ مالی نقصان کی تلافی کر دے گا۔

مالکانہ حقوق عطا کرنا ایک بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق بعض اوقات جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں ان میں کہا گیا ہے کہ مالکانہ حقوق واپس دیئے جائیں۔ جب تک مدعی یہ ثابت نہ کریں کہ فی الواقع مالکانہ حقوق انہی کے قبضہ میں تھے۔ واپسی حقوق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۴۰ سال گزرے جب اوّل مرتبہ باقاعدہ بندوبست کیا گیا تو کشمیر خاص میں کوئی ایسی شہادت نہ ملی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ زمیندار مالکانہ حقوق پر قابض رہ چکے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ ان کو مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ پٹھانوں، مغلوں، سکھوں اور قدیم ترین ڈوگرہ حکمرانوں کے ماتحت کشمیر کے کاشتکار ایک زرعی مشین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ نہ انہیں مالکانہ حقوق حاصل تھے اور نہ قابضانہ حقوق۔ ہاں بظاہر ان کو زمینوں پر ایک طرح کا موروثی حق حاصل تھا۔ جن کو ریاست کے حکام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کو صرف عوام یہ تسلیم کرتے رہے ہیں۔ بعض زمینداروں نے زمینیں فروخت بھی کیں۔ لیکن فروخت بالکل خلافِ آئین اور ناقابلِ تسلیم تھی۔ سرگباشی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں سر والٹر لارنس کی سفارش پر جن کا نام اب بھی ان لوگوں میں بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ جن کے لئے انہوں

نے محنتِ شاقہ برداشت کی، کاشت کار کو غلامی سے نجات ملی اور اس کے لئے وہ حقوق محفوظ کئے گئے جو اسے اب حاصل ہیں۔

صوبہ جموں میں صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ بہت سے مقامات میں زمین کے مالک عوام ہی ہیں۔ بالعموم اس طریق کی بنیاد موجودہ حکمران خاندان کے ابتدائی دور ہی میں پڑ گئی تھی۔ اس وقت اس ملک میں بہت سے نیم آزاد راجگان تھے۔ جن کے علاقے بعد میں ریاست میں شامل کر لئے گئے اور پھر ریاست کی موجودہ شکل بن گئی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں ریاست خود مالک ہے وہاں اس وقت سے اسے مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ جب سے معتبر تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، دوسری زمینوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حکمران خاندان کے برسرِ اقتدار آتے ہی زمینوں کے سابق مالکوں سے ذاتی ملکیت کے حقوق بغاوت کی پاداش میں ضبط کر لئے گئے۔ بظاہر ناممکن سا ہے کہ جس زمیندار کو اب مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہیں وہ یہ ثابت کر سکے کہ ڈوگرہ حکومت سے پہلے وہی زمین پر قابض تھا۔

یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مالکانہ حقوق کے عطا کئے جانے پر جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، ان کی کبھی بھی ٹھیک طور پر قدر نہیں کی گئی۔ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی رعایت کی اس لئے خواہش کی جاتی ہے کہ اس سے زمین پر زمینداروں کا قبضہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ فائدہ تو پہلے ہی حاصل ہے۔ زمینداروں کو مختلف اضلاع میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ کہیں وہ اسامی دار کہلاتے ہیں اور کہیں مال گذار۔ اور کہیں کرایہ دار۔ انہوں نے زمین پر اپنے حقوق کو ضبط تحریر میں لا کر محفوظ بنا لیا ہوا ہے۔ مالکانہ حقوق کے عطیہ کا سب سے زیادہ اثر انتقالِ اراضی کے اختیار ہی پر پڑے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مالکانہ حقوق کے عطا کرنے سے فی الواقع کوئی فائدہ ہوگا؟ سر والٹر لارنس نے جن کے خیالات اس موضوع کے متعلق اپنے پیشرو مسٹر ونگیٹ سے مختلف تھے اسامی داروں کے اپنے فوائد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عمداً اس سلسلہ میں کوئی تجویز پیش کرنے سے احتراز کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اسامی دار بڑے فضول خرچ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اسی بد عادت کی وجہ سے اپنی املاک افسوسناک نتائج کا خیال کئے بغیر فروخت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بات صاف طور پر تسلیم کی جائے گی کہ اب بھی یہی خدشہ موجود ہے۔ زرعی زمین کو غیر زراعت پیشہ

اشخاص سے بچانے کے لئے خواہ کشمیر میں کوئی قانون انتقالِ اراضی ہی کیوں نہ نافذ کر دیا جائے، چھوٹے چھوٹے زمینداروں میں پھر بھی یہ رجحان باقی ضرور رہے گا کہ وہ اپنی املاک اپنی ہی قوم کے متمول اشخاص کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے زمینداروں کو وہ فائدہ حاصل نہ ہوگا جو ان کو اب حاصل ہے۔ خود زراعت پیشہ لوگوں نے کمیشن کے روبرو جو شہادت دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امر کے متعلق لوگوں میں اختلافِ رائے ہے۔ کہ کیا اس وقت زمین داروں کو مالکانہ حقوق عطا کرنا عقلمندی ہے۔ بہر حال کہا جا سکتا ہے کہ ریاست کے زراعت پیشہ لوگوں نے بالخصوص صوبہ کشمیر میں اولین باضابطہ بندوبست کے وقت سے اب تک بہت ترقی کر لی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اب ان کی مالی حالت آج سے چالیس سال قبل کی مالی حالت سے بہتر ہے۔ لہٰذا ان کو اپنی زمین فروخت نہیں کرنا چاہیے۔ یقین تو ہے کہ اکثر زمین دار بہت ہوشیار ہو گئے ہیں۔ اور وہ انتقالِ اراضی کے اثرات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر زراعت پیشہ لوگوں کو مالکانہ حقوق عطا کئے گئے تو ان میں اعتماد النفس اور عزتِ نفس کا احساس بڑھ جائے گا اور اس سے ان کو اپنی زمین کے ساتھ جس پر وہ محنت کرتے ہیں بہت محبت ہو جائے گی اور اس طرح وہ اُن فوائد کی قدر و قیمت زیادہ جاننے لگیں گے جن سے وہ متمتع ہو رہے ہیں۔ بے شک یہ استدلال نہایت وزن دار ہے۔

سطورِ بالا سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن زمینوں کے مالکانہ حقوق ریاست کے قبضہ میں ہیں، زمینداروں کو ان کا مالک قرار دینا حکومت کی اپنی مہربانی ہوگی۔ کمیشن کی رائے ہے کہ اگر ہز ہائی نس نے از راہِ عنایتِ خسروانہ اس پالیسی کو پسند کیا تو اس سے جن فوائد کے حاصل ہونے کی توقع ہے وہ جملہ اعتراضات کو بے حقیقت اور بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ بشرطیکہ ان مراعات کو ناجائز استعمال کی روک تھام کے لئے مناسب تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ ضروری ہے کہ اگر مالکانہ حقوق عطا کئے جائیں تو زراعت پیشہ لوگوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے ریاست کے جن حصص میں قانونِ انتقالِ اراضی نافذ نہیں وہاں یہ نافذ کر دیا جائے۔ قانونِ حقِ شفع (PRE-EMPTION ACT) اچھا ہے۔ اس لئے مشورہ دیا جاتا ہے کہ کم از کم تجربہ کے طور پر ایک زراعت پیشہ کو فروخت یا رہن کے ذریعہ اپنی زمین اپنی زراعت پیشہ جماعت کے کسی فرد کو منتقل کرنے کی اجازت دی جائے۔ علاوہ بریں چونکہ

ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ اس انقلاب کے کیا اثرات ہوں گے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ کسی زمین دار کو جسے اس وقت مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہیں، آئندہ دس سال تک اپنی املاک کا ۲۵ فیصدی سے زیادہ حصہ منتقل کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس عرصہ کے گزرنے کے بعد بڑی احتیاط سے اس اصول کی نظرثانی کی جائے اور پھر اس دس سالہ تجربہ کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا زمینوں کے انتقال کی رفتار کو دیکھتے ہوئے ان پابندیوں کا جاری رکھنا ضروری ہے۔ بظاہر سری نگر اور صوبہ کشمیر کے دیگر قصبات میں مالکانہ حقوق کے عطا کرنے سے کوئی اہم سیاسی تبدیلی نہیں ہو گی۔ سری نگر کے زمینداروں کو پہلے ہی حق مرافق حاصل ہے جو درحقیقت مالکانہ حقوق سے مختلف نہیں۔ اس لئے کہ حق مرافق کے ساتھ زمین دار کو انتقالِ زمین کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲ ۔ کاہچرائی

یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو عملاً ریاست کے ان تمام مقامات میں جہاں گھاس چرنے کی ذرا سی بھی سہولت ہے نافذ ہے۔ مقررہ کاہچرائی کی شرح یعنی وہ کاہچرائی جو دیہاتی ادا کرتے ہیں، بھینس بکری اور دیگر قسم کے مویشیوں کے لئے مختلف ہے۔ بعض مویشیوں کو کاہچرائی سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے اور جن مویشیوں پر ٹیکس لگایا جانا ضروری ہوتا ہے ان میں سے بھی بیشتر کو ٹیکس معاف کیا جاتا ہے۔ ٹیکس کے قابل مویشیوں کے مالکوں سے نرخ وار ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ جن گاؤں میں مویشیوں کی مجموعی تعداد بہت ہی کم ہو، وہاں کے باشندے ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دیئے جانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حکام اس قسم کا حق مشکل ہی سے تسلیم کرتے ہیں۔

جہاں تک ریاست کے پہاڑی علاقوں یا ان کے قریب و جوار کے علاقوں کا تعلق ہے اگر وہاں تشفی بخش چراگاہوں کے علاوہ قریب ہی گھاس والے قطعے ہیں (جن کو مختلف علاقوں میں بھک علاقے یا دھار کہا جاتا ہے) اور وہاں دیہاتی سال کے بیشتر حصہ میں اپنے ریوڑ چرا سکتے ہیں تو اس قسم کا ٹیکس بلاشبہ جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ دیہاتیوں کو مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے پالنے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتاً ریاست اپنی آمدنی کی خاطر کاہچرائی کا ٹیکس عائد کرتی ہے۔ برطانوی ہند میں بھی کم و بیش اسی قسم کا ٹیکس موجود ہے۔

ممکن ہے کہ جو ٹیکس ریاست کے بعض حصوں میں ہلکا معلوم ہوتا ہے وہ دیگر اضلاع

میں بھاری ثابت ہوتا ہو۔ میدانی علاقے کے سرحدی حصص میں واقعی یہ ٹیکس بڑا بوجھ بنا ہوا ہے۔ کیوں کہ وہاں چراگاہیں بہت ہی کم ہیں۔ مانا کہ جن دیہات میں چراگاہیں بالخصوص کم ہیں، ان کو کاہچرائی کے ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے اور دوسری چراگاہوں کی شرح کاہچرائی بہت کم کر دی گئی ہے۔ مثلاً تحصیل میرپور کے ان دیہات میں جہاں کاہچرائی بالکل معاف نہیں مقررہ نرخوں میں ۵۰ سے ۶۲½ فیصدی تک تخفیف کی گئی ہے لیکن پھر بھی قدرتی طور پر کاہچرائی غیر دلعزیز ہے اور اس سے بے اطمینانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تحصیل میرپور میں مویشیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ وہاں کاہچرائی کی آمدنی ۳۸۰۱ روپے سے ۷۷۶۳ روپیہ تک ہو گئی ہے گویا اس میں ۱۰۴ فیصدی اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے اگر لوگوں میں بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دیہاتی کہتے ہیں کہ گھاس چرنے کے لئے جو سہولتیں تھیں ان کو بالکل برباد کر دیا گیا ہے۔ اور جن مویشیوں پر ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ زیادہ تر اپنے مالک کی زمینوں کی پیداوار سے حاصل کئے ہوئے چارے پر انحصار کرتے ہیں۔ لیکن حکومت ان زمینوں پر علیحدہ مالیہ اراضی وصول کرتی ہے۔ یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ریاست کے کن حصص میں کاہچرائی کا ٹیکس مناسب ہے اور کن میں یہ بہت زیادہ ہے اور نہ ہی کوئی ایسا بنا بنایا قاعدہ یا فارمولا ہی تجویز کیا جا سکتا ہے۔ جس سے اس معاملہ کے متعلق جملہ شکایات کا مؤثر طور پر ازالہ ہو سکے۔ تجویز پیش کی گئی ہے کہ جن دیہات میں زرعی زمین کے برابر وسیع چراگاہیں پائی جاتی ہیں، ان میں کاہچرائی کا ٹیکس بدستور رکھا جائے۔ اگر اس مشورہ پر عمل کیا جائے تو یہ امتیاز کرنا مشکل ہوگا کہ کن رقبہ جات میں تشفی بخش چراگاہیں ہیں۔ اور کن میں نہیں۔ اس کے مقابلہ میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ دیہات پر کاہچرائی کا ٹیکس نہ لگایا جائے بلکہ جب مویشیوں کے مالک ان چراگاہوں میں اپنے ریوڑ بھیجیں تو ان سے بہک یا دھار کی شرح کے مطابق کاہچرائی وصول کی جائے۔ لیکن عملی طور پر ایسے انتظام سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اس لئے کہ دور دراز اور منتشر چراگاہوں میں کاہچرائی کی وصولی بہت مشکل ہو جائے گی۔

بہترین حل یہ ہے کہ ریاست کے جن حصص کو امداد کی ضرورت ہے ان کو فی الفور امداد دی جائے یعنی یہ امداد ان تحصیلوں کو دی جائے جو میدانوں کے کناروں پر واقع ہیں۔ اور جن کو چراگاہوں کی بہت کم سہولتیں حاصل ہیں۔ اس اصول کو اب بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ یوں کہ خاص خاص دیہات کو اس ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے اور نرخوں میں عام تخفیف

کر دی گئی ہے۔ البتہ تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں یہ ٹیکس کلیتہً معاف ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ تحصیلات جموں، سانبہ، اکھنور، کٹھوعہ، جسمیر گڑھ، میرپور اور بھمبر میں کاہچرائی کا ٹیکس معطل کر دیا جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو ایک افسر مقرر کیا جائے جو یہ رپورٹ کرے کہ :

الف۔ کیا مذکورہ بالا تحصیلات میں کوئی ایسا حصہ ہے جہاں مستقل معافی حق بجانب قرار نہیں دی جا سکتی۔ اور

ب۔ دیگر حصص ریاست میں جہاں کہا جاتا ہے کہ گھاس چرنے کی سہولتیں ناکافی ہیں، کاہچرائی میں کس قدر تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ بالا سات تحصیلوں میں کاہچرائی کی کلی معافی سے ریاست کے خزانے کو مجموعی طور پر ۴۶۱۸۸ روپے کا نقصان ہوگا۔

معلوم ہوا ہے کہ صوبہ کشمیر کے جو دیہات کاہچرائی کی مقررہ شرح ادا کرتے ہیں، اگر وہ صوبہ جموں کے علاقوں میں اپنے ریوڑ اور گلے گھاس چرانے کے لئے لے جائیں تو ان سے زائد کاہچرائی وصول نہیں کی جاتی۔ لیکن صوبہ جموں کے قواعد کے مطابق اگرچہ گھاس چرنے والے مویشیوں کی مقررہ کاہچرائی حکومت نے لے لی ہو، جب بھی بعض حالات میں دھاروں میں گھاس چرنے کے لئے ان پر مزید ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ کمیشن کا خیال ہے کہ اگر ایک صوبہ کی حدود سے دوسرے صوبہ میں گھاس چرنے کے لئے زائد ٹیکس وصول کیا جائے تو صوبہ جموں سے بھی کشمیر جیسا سلوک کیا جائے اور صوبہ جاتی حدود کی پوری پوری وضاحت کر دینا چاہیے۔ قصابوں نے شکایت کی ہے کہ جب بکریوں اور بھیڑوں کو ذبح کرنے کے لئے میونسپل حدود کے اندر لایا جاتا ہے تو نہ صرف چنگی بلکہ کاہچرائی بھی وصول کی جاتی ہے۔ اور دوبارہ کاہچرائی دینے سے صرف اسی صورت میں بچ سکتے ہیں کہ ہم اس بات کا تحریری ثبوت پیش کریں کہ پہلے ہی کاہچرائی ادا کی جا چکی ہے۔ اکثر اوقات ثبوت بہم پہنچانا آسان نہیں ہوتا۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ اس طرح کاہچرائی وصول کرنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

بکروال ایک خانہ بدوش اور مویشی پالنے والی قوم ہے۔ ان کے گلوں کے لئے حکام ریاست نے پیشتر ہی رعایت کا اعلان کیا ہوا ہے۔ یہ رعایت بالکل کافی ہے۔ اس لئے کمیشن اس کے متعلق اس کے سوا کوئی اور سفارش نہیں کرتا کہ جب تک کافی وجوہ موجود نہ ہوں کسی خاص جماعت کے بکر والوں سے جانبدارانہ سلوک نہ کیا جائے۔

۳۔ خالص مالیہ اراضی

شکایت کی گئی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں مالیہ اراضی کا بندوبست نہایت ظالمانہ ہے لیکن حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ چالیس سال سے یعنی سر والٹر لارنس کے زمانہ سے لیکر آخری بندوبست تک جس کا اعلان ریاست کی کسی ایک تحصیل میں بھی کیا گیا ہے ایک نہایت باقاعدہ اور منظم بندوبست تھا۔ جس کی زمام انتظام آج سے چند سال پیشتر سلسلہ وار بہت سے اعلیٰ درجہ کے تجربہ کار اور قابل کمشنران بندوبست کے ہاتھ میں تھی۔ جن کی خدمات حکومت پنجاب سے عاریتاً لی گئی تھیں۔ بندوبست کا کام نہایت احتیاط سے سرانجام دیا گیا ہے۔ اور اس کا انحصار اسی طریق پر ہے جو اب سے کچھ عرصہ پیشتر پنجاب میں رائج تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ حکومت پنجاب نے چند سال گزرے ۱۹۲۸ء کا قانون ترمیم مال نافذ کرکے اپنے نظام کی اصلاح کر لی اور ریاست نے اس قسم کا کوئی قانون منظور نہ کیا۔ اس قانون میں دیگر امور کے علاوہ یہ لکھا ہے کہ آئندہ بندوبست میں، اگر کہیں مالیہ کی شرح سالانہ مقرر کی جائے تو اس کی رقم کسی بھی حلقۂ بندوبست میں علاقہ کی خالص پیداوار کی قیمت تخمینہ کے ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ بہتر یہی ہے کہ جب حالات اجازت دیں، ہز ہائی نس گورنمنٹ اس سوال پر غور کرے کہ کیا اس قانون کے اصولوں کی متابعت کرنا مناسب ہے؟

سرکاری کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنجہانی مہاراجہ صاحب بہادر کے عہد میں جب کہ ریزیڈنسی کو جموں وکشمیر کے انتظام پر بڑا اقتدار حاصل تھا، مجوزہ بندوبست سے حکومت کو اطلاع دی اور اس سے منظوری لی جاتی تھی۔ بندوبست کی مسلیں، جن میں مختلف تحصیلات کے بندوبست اور مکرر بندوبست سے بحث کی گئی ہے۔ سرکاری کاغذات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں وہ اعداد و شمار اور حسابات درج ہیں، جن کی بنا پر مالیہ اراضی مقرر کیا گیا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر مالیہ اراضی کے متعلق کبھی بھی کسی قسم کی عام بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا گیا اور حال ہی میں جو بے اطمینانی ظاہر ہوئی، بظاہر اس کی حسب ذیل وجوہ تھیں۔ غلہ کی قیمت گرنے سے کساد بازاری برطانوی ہند کے ملحقہ اضلاع کے نرخوں سے ریاست کے مروّجہ نرخوں کا مقابلہ اور تازہ ترین، عام بے چینی۔

اس وقت بے اطمینانی کی آخری وجہ پر بحث کرنا ضروری نہیں، امید کی جاتی ہے کہ ہز ہائی نس گورنمنٹ نے جن تدابیر پر عمل کیا ہے اور جن پر وہ آئندہ عمل کرے گی، ان سے امن اور اطمینان،

بحالی ہو جائے گا۔

غلہ کی قیمت گرنے کے سلسلہ میں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جب محکمہ بندوبست نے مالیہ کی تشخیص کی تو بازار میں غلہ کا بھاؤ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وادیٔ کشمیر میں صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ کشمیر میں سب سے زیادہ اہم چاول کی فصل ہے۔ جب گزشتہ بندوبست کا کام جاری تھا تو اس وقت منڈی میں چاول کا بھاؤ بالخصوص چڑھا ہوا تھا۔ لیکن مہنگے نرخوں کا خیال نہیں کیا گیا کیوں کہ یقین نہ تھا کہ یہ مہنگے نرخ عرصہ تک قائم رہیں گے۔ اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مزارعین زیادہ تر دکانداروں یا پیشہ ور غلہ فروشوں کے رحم پر رہتے۔ اس لئے اگر نرخوں میں اضافہ ہوتا تو جب بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ چاول کی قیمت ۱۴ یا ۱۵ آنہ فی من فرض کی گئی تھی۔ اس وقت سے نہ صرف قیمتیں بدستور زیادہ ہیں بلکہ دلال کو درمیان سے نکال کر سرکار نے غلہ کے انتظام کا جو طریقہ رائج کیا ہے اس سے کاشت کار کا تعلق براہ راست منڈی سے قائم ہو گیا ہے۔ اور وہ اس انتظام کی بدولت حسب موقعہ پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بڑے بڑے علاقوں میں جہاں چاول کی کاشت کی جاتی ہے گزشتہ بندوبست میں چاول کا جو بھاؤ فرض کر لیا گیا تھا، کاشت کار اس سے قریباً دوگنا بلکہ بعض حالات میں دوگنا یا اس سے بھی زیادہ قیمت حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرے اناج کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ مثلاً جوار کی قیمت بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اب یہ اہمیت کے لحاظ سے چاول سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اس سلسلہ میں کشمیر کے کاشت کاروں کی حالت اور ہندوستان اور دوسرے ممالک کے مزارعین کی عام حالت کا مقابلہ کرنا خالی از دلچسپی نہیں۔ وادیٔ کشمیر کے کاشت کار کو اپنا غلہ منڈی میں لانے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ وہ آج سے دس سال پہلے کی نسبت بدرجہا بہتر غلہ فروخت کر رہا ہے۔ اس کے معیار زندگی میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر میں یہ حالت عارضی ہے اور نہ ہی یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس وقت وادیٔ کشمیر میں جموں کی مانند بندوبست کیا جائے تو اس سے مالیہ بہت بڑھ جائے گا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوبہ جموں کے علاقوں اور مظفر آباد میں غلہ کی قیمت گرنے سے زراعت پیشہ لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حال ہی میں بندوبست کی غرض سے جو قیمتیں فرض کی گئی تھیں وہ بہت زیادہ تھیں۔ حال ہی میں جن تین تحصیلوں یعنی اکھنور، میرپور اور بھمبر کا مکرر بندوبست کیا گیا ہے۔ ان میں سب سے بڑی فصل یعنی

گیہوں کی قیمت اڑھائی روپیہ فی من سے پونے تین روپیہ فی من تک مزمن کی گئی ہے۔ غلہ کے مختلف مراکز میں اس وقت گیہوں کا نرخ اس سے کم نہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ غلہ کی کساد بازاری کی موجودہ حالت محض عارضی ہے۔ فی الحال ناگوار صورتِ حال کے ازالہ کی تدبیر یہ ہے کہ جہاں کہیں ضرورت ہو معافیاں عطا کی جائیں۔ مالی سالِ رواں میں ہز ہائی نس گورنمنٹ نے ان رقبہ جات میں جن پر غلہ کی قیمت گرنے کا بُرا اثر پڑا ہے، ۲۵ فیصدی معافی عطا فرمائی جائے۔

بے اطمینانی کی جو دوسری وجہ (یعنی ریاست اور برطانوی ہند کے ملحقہ اضلاع کے نرخوں کا باہمی تفاوت) اوپر بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ میں اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ واقعی ریاست اور برطانوی ہند کے ملحقہ اضلاع کے نرخوں میں فرق پایا جاتا ہے اور بعض حالات میں یہ فرق بہت زیادہ ہے۔ برطانوی ہند کے نرخ عام طور پر ریاست کی ملحقہ تحصیلات کے نرخوں سے کم اور بعض حالات میں تو بہت ہی کم ہیں۔ لیکن اس فرق کو اکثر بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ برطانوی ہند کے بعض ملحقہ اضلاع میں بڑے عرصہ سے دوبارہ بندوبست نہیں کیا گیا۔ مثلاً ضلع جہلم میں ۱۸۹۹ء میں آخری بندوبست ہوا تھا۔ یہ تجویز نہیں پیش کی جاسکتی کہ ہر تحصیل کے مالیہ کے نرخ ہمسایہ علاقوں کے برابر کر دیئے جائیں۔ اگر ہندوستان کے طول و عرض میں یہی طریقہ رائج کر دیا جائے تو اس سے نہایت اہم اقتصادی نتائج برآمد ہوں گے۔ مناسب یہی ہے کہ کسی خاص ضلع یا تحصیل کا مالیہ اس کی حالت کو دیکھ کر مقرر کیا جائے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جموں و کشمیر میں جو مکرر بندوبست ہوئے ہیں، ان سب کے مکمل حالات مل سکتے ہیں۔ اگر یہ ثابت ہو سکے کہ بندوبست اور اس سے اخذ کردہ نتائج صحیح نہیں تو بلا شبہ نظرِ ثانی کی ضرورت ہوگی لیکن اس وقت یہ ثابت نہیں کیا گیا اور نہ فی الواقع یہ عام خواہش ہی پائی جاتی ہے کہ نئے بندوبست کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

مالیہ اراضی کے بندوبست کے متعلق سب سے زیادہ میرپور کی تحصیل سے شکایات موصول ہوئی ہیں۔ اس لئے اس تحصیل کے چند اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ قریباً ۱۲ سال گزرا کہ مکرر بندوبست کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس سے قبل مالیہ اراضی کے مطالبہ کی رقم ۲۵۳۸۹۷ روپے تھی۔ لیکن اب ۲۶۴۳۰۵ روپے ہے۔ گویا مالیہ میں ۴ فیصدی سے کچھ زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ جو بہت ہی کم ہے۔ ریاست نے اندازہ لگایا تھا کہ اسے مالیہ سے ۳۰۹۶۸۳ روپے آمدنی ہوگی۔ لیکن اسے فی الحقیقت ۲۰۵۸ فیصدی آمدنی ہوئی ہے۔ یہ بتا دینا بھی ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف مالیہ اراضی کے متعلق جدید اعلان کا خوشی سے خیر مقدم کیا گیا اور کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کی گئی بلکہ جب اس اعلان کے بعد غلہ کی قیمت موجودہ قیمت سے بھی گر گئی، تو جب بھی دو فصلوں کا پورا مالیہ کاہچرائی سمیت بغیر کسی دقت کے جمع ہو گیا۔ کاہچرائی کی رقم ۷۷۶۴۳ روپے ہے، مالکانہ ۲۶۲۵۲ روپے اور نوتوڑ کا بقایا ۸۶۰۰ روپے۔ یہ سب رقوم بغیر کسی دقت کے جمع ہو گئیں۔

سفارش کی جاتی ہے کہ نوتوڑ کا بقایا واجب الادا جس کی رقم قریباً ۲۴۰۰ روپے ہوتی ہے، بالکل معاف کر دیا جائے۔ (اس بقایا کی وصولی ملتوی کر دی گئی ہوئی ہے۔) مالیہ اراضی کے بندوبست میں کسی عام تخفیف کی سفارش کرنا بظاہر مناسب نہیں۔ بندوبست اپنے طور پر نہایت واجب اور موزوں ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مالکانہ اور کاہچرائی کے متعلق جو سفارشات کی گئی ہیں اگر ان پر عمل کیا گیا اور قیمتوں کی کمی یا دیگر وجوہ کی بنا پر جو معافیاں ضروری ہیں اگر وہ عطا کی گئیں تو زمین داروں کو کافی مدد مل جائے گی۔ معافیوں اور مالیہ کی وصولی کے متعلق جملہ قواعد کی بڑی حزم و احتیاط سے تعمیل کی جائے۔ شکایت کی گئی ہے کہ بعض املاک میں زمین کی غلط پیمائش کی گئی ہے یا غلط درجہ بندی کی گئی ہے اور بعض دیہات میں باچھ کا نفاذ نہایت ناموزوں ہے۔ کمیشن کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ دیہات اور تحصیلات کا بچشم خود معائنہ کرتا۔ البتہ حکام ریاست نے اطلاع دی ہے کہ قانون بندوبست کے مطابق متعلقہ اشخاص کے سامنے بندوبست یا مکرر بندوبست کا اعلان کیا گیا اور جملہ اعتراضات پر توجہ کی گئی۔ اگر اب یہ ثابت کیا جا سکے کہ کسی کو مناسب وقت پر اعتراض پیش کرنے کا پورا موقع نہیں دیا گیا تو محکمہ مال کے افسروں کا فرض ہے کہ وہ اس بارے میں تمام شکایات کی تحقیقات کریں۔ بعض ایسے سرحدی اضلاع سے جہاں مالیہ کا کچھ حصہ بصورت جنس وصول کیا جاتا ہے یہ شکایت موصول ہوئی ہے کہ موجودہ شرح مبادلہ سے کاشت کاروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس وقت بعض علاقوں میں چند سال کے وقفہ سے ان نرخوں پر نظر ثانی کی جاتی ہے لیکن دوسرے علاقوں میں نظر ثانی کی مدت بندوبست کی مدت کے برابر ہوتی ہے۔ غلہ کی قیمتیں کم ہونے کی حالت میں اس شرح مبادلہ پر نظر ثانی کرنے سے زمینداروں کو شاید ہی فائدہ پہنچے۔ تاہم سفارش کی جاتی ہے کہ اگر کسی خاص علاقے کے باشندوں کی یہ عام خواہش ہو کہ نرخوں کی نظر ثانی بار بار ہوتی رہے تو ان کی خواہش کے مطابق دوبارہ شرح مبادلہ مقرر کی جائے۔

۴۔ سکردو اور کرگل

سکردو اور کرگل میں غلہ کے بیج ریاست کی طرف سے کاشت کاروں کو پیشگی دیئے جاتے ہیں شکایت کی گئی ہے کہ ان بیجوں کی واپسی کے وقت حکومت جنس کی صورت میں بہت زیادہ سود لیتی ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ اس سود کی شرح، اس شرح سود سے کسی حالت میں زیادہ نہ ہو جس کی قانونِ زمینداری اجازت دیتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دس کنال نوتوڑ زمین دی جاتی ہے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں دوسروں کے حقوق پر بُرا اثر نہ پڑتا ہو، یہ تحدید اٹھا دی جائے۔

۵۔ درختوں کا ٹیکس اور ان کے کاٹنے اور اٹھانے پر پابندیاں

درختوں، ان کے ٹیکس اور ان مشکلات کے متعلق جو اس سلسلہ میں زمینداروں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں، بہت سی شکایات موصول ہوئی ہیں۔

کشمیر میں، بادامیں اور جو اخروٹ کے درخت زمینداروں کے قبضہ میں ہیں ان پر خفیف سا ٹیکس لیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں کہ نا واجب معلوم ہو۔ تاہم سفارش کی جاتی ہے کہ ان درختوں کے کاٹنے پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے اور جہاں کہیں یہ درخت کاٹے جا چکے ہوں، یہ ٹیکس معاف کر دیا جائے۔

شہتوت اور چنار کے درخت کاٹنے پر پابندیاں عائد ہیں۔ کمیشن شہتوت کے درختوں کے متعلق موجودہ قواعد میں کسی قسم کی تبدیلی کی سفارش نہیں کرتا۔ اس لئے کہ محکمہ ابریشم کی سرگرمیوں کی وجہ سے زمیندار ان درختوں سے خوب روپیہ کماتے ہیں۔ عوام کے مفاد کے پیشِ نظر ان درختوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔ موجودہ قواعد کے مطابق لوگوں کو اجازت ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو شہتوت کی شاخیں کاٹ ڈالیں۔ مناسب ہے کہ محکمہ بیج تقسیم کرتے وقت حتی الامکان اُن زمینداروں کو ترجیح دے جن کی زمینوں میں شہتوت کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اگر وہ درختوں کے پتے استعمال کرنا چاہیں، تو اُن کو استعمال کا حق فائق حاصل ہو۔ چنار کے درختوں سے زمینداروں کو کوئی آمدن نہ ہو۔ ایک طرف انہیں اکثر ان کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں ضرورت ہو، ان کی شاخیں وغیرہ کاٹنے کی اجازت دینے کا اختیار تحصیلداروں کو تفویض کر دیا جائے۔

اس امر کی بھی شکایت کی گئی ہے کہ بعض حالات میں درختوں کے سایہ کی وجہ سے زراعت میں بڑی رکاوٹ ہوتی ہے اور ٹیکس مقرر کرتے وقت اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بظاہر درختوں کے سایہ سے جو نقصان ہوتا ہے، اس کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ جن دیہات میں ان درختوں سے واقعی نقصان ہوتا ہے، ان پر ٹیکس عائد کرتے وقت بالعموم درختوں کے سایہ سے زراعت کے نقصان کا خیال رکھا جائے جو اشخاص اس معاملہ میں شاکی ہوں ان کو چاہیے کہ وہ ریاست کے محکمہ مال سے درخواست کریں۔ لیکن ان کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مناسب وقت پر (یعنی جب ٹیکس تجویز ہو رہا تھا) انہیں اعتراض پیش کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔

شکایت کی گئی ہے کہ اخروٹ کے درختوں کے علاوہ جو اِکا دُکا درخت زمین داروں کی ملکیت میں ہیں، ان پر علیحدہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ شکایت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ باغیچوں کا ٹیکس ہے اور باغیچوں کے ٹیکس کے خلاف کوئی شکایت جائز نہیں ہو سکتی۔

یہ بھی شکایت کی گئی ہے کہ زمینداروں نے ولو (WILLOW) وغیرہ کے جو درخت شاملاتِ دیہہ میں سڑکوں یا نہر کے کنارے لگائے ہوئے ہیں، ان کی شاخیں کاٹنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اگر مفادِ عامہ کے منافی نہ ہو تو ان کے کاٹنے کی اجازت دی جانی چاہیے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکام نے شاملاتِ دیہہ کے درختوں کے کاٹنے کے خلاف کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جن دیہاتیوں نے غیر آباد اور غیر مزروعہ زمین پر جو شاملات میں شمار نہیں ہوتیں، درخت بوئے ہیں، ان کو اُن کی حسبِ خواہش درخت کاٹنے کی اجازت دی جائے۔

۶۔ چک اور جاگیریں

غیر زراعت پیشہ اور دیگر اشخاص کو چک (غیر مزروعہ زمین) عطا کرنے کے متعلق بہت سی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ اب کئی سال سے اس قسم کی زمینیں عطا نہیں کی جاتیں۔ اس رسم کی تجدید نہایت نامناسب ہے۔ لیکن چکوں کی واپسی کے لئے اس بنا پر سفارش نہیں کی جا سکتی کہ جو چک لوگوں کو عطا کئے گئے ہوئے ہیں، وہ حکومت کی موجودہ پالیسی کے مطابق نہیں ہیں۔ اگر کہیں یہ ثابت ہو سکے کہ کسی چک دار یا کسی اور شخص نے جس کو چک دیا گیا ہے، ہمسایہ زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے تو جس کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا گیا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ مقررہ ضابطہ کے مطابق دادخواہ ہو۔ لیکن جو لوگ قانونی طور پر غیر مزروعہ زمینوں پر قابض ہیں، ان کو بے دخل کرنا ضابطہ شکنی کے مترادف ہوگا۔

جاگیرداروں کے متعلق زمینداروں کی طرف سے بہت شکایات موصول ہوئی ہیں۔ ان

شکایات کا تعلق بالخصوص ان جاگیروں سے ہے جو حال ہی میں عطا کی گئی تھیں جن دیہات کو رقبہ جات جاگیر کی صورت میں بدلا گیا ہے ان کے رہنے والے زمیندار بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اس تبدیلی کی بدولت ہمارے حقوق کو بہت نقصان پہنچے گا۔ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کی تخت نشینی کے وقت جن اہم مراعات کا اعلان کیا گیا تھا ان میں سے ایک کا تعلق شاملات دیہہ سے تھا۔ ہز ہائی نس نے حکم صادر کیا تھا کہ دیہات کے قرب و جوار میں جو غیر مزروعہ سرکاری زمین ہے وہ متعلقہ دیہاتیوں کو بشتر کہ زمین کے طور پر دے دی جائے۔ اس حکم کو بہت پسند کیا گیا تھا۔ ہز ہائی نس نے یہ حکم بھی صادر فرمایا تھا کہ دیہاتیوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ زراعت کی خاطر اس زمین کے ٹکڑے کر لیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات میں تو یہ رعایت عطا کی گئی ہے لیکن اور مقامات میں یہ رعایت ابھی تک نہیں دی گئی۔ سفارش کی جاتی ہے کہ ہز ہائی نس کے فرمان پر حتی الامکان جلد از جلد عمل کیا جائے زمینداروں کے دل میں یہ بڑا اندیشہ پایا جاتا ہے کہ جن دیہات کو حال ہی میں جاگیروں میں شامل کیا گیا ہے، انہیں وہ اس رعایت سے استفادہ کرنے سے بالکل محروم نہ کئے جائیں جس کا اعلان ہز ہائی نس کی تخت نشینی کے وقت کیا گیا تھا۔ حکومت نے یہ احکام جاری کئے ہیں کہ جن دیہات کو جاگیروں میں شامل کیا گیا ہے وہاں کے زمینداروں کو شاملات دیہہ کے استعمال کا سو فیصدی حق حاصل رہے گا۔ ان احکام سے بہت حد تک اس معاملہ میں حکومت کی غلطی کی اصلاح ہو گئی ہے۔ لیکن شکایات موصول ہوئی ہیں کہ بعض مقامات پر چک داروں یا دوسرے لوگوں نے جن کو غیر مزروعہ زمینیں عطا کی گئی ہیں، اس رعایت میں مداخلت کی ہے۔ حالاں کہ یہ رعایت دیہاتوں ہی کے لئے تھی۔ اس قسم کی مداخلت کا انسداد کر دیا جائے۔ بالخصوص نئی جاگیروں کے سلسلہ میں دیہاتیوں میں اب بھی سراسیمگی پائی جاتی ہے۔ نہایت زوردار الفاظ میں سفارش کی جاتی ہے کہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جائے کہ زمینداروں کے موجودہ حقوق پر جاگیروں کے عطا کئے جانے کا ذرا بھی ناگوار اثر نہ ہونے پائے۔ دیہاتیوں کو حد بندی والے یا بغیر حد بندی کے جنگلات سے لکڑیاں لینے کی وہی سہولتیں دی جائیں، جو انُ کو اب سے پیشتر حاصل تھیں اور کسی حالت میں بھی قبضۂ مخالفانہ سے ان کے مفاد کو نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔ زمیندار یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ حسب دستور سابق خزانہ کی بجائے زمینداروں کے ایجنٹوں کو مالیہ کی رقم ادا کریں۔ ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر وہ جاگیرداروں کے ایجنٹوں کو روپیہ دینے لگے تو ان سے ناجائز طور پر روپیہ اینٹھا جائے گا۔ اگر مالیہ کا روپیہ خزانہ کو ادا کیا جائے تو جاگیرداروں کے مفاد کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ

زمیندار مالیہ کا روپیہ خزانہ کو ادا کریں اور حکام ریاست خود جاگیرداروں کو ان کی واجب الادا رقم دے دیں۔ دیہاتی حکومت کے اس فیصلہ پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ دیہاتی نمبرداروں کے تقرر کے وقت جاگیرداروں سے مشورہ کیا جائے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ حکام مال اس بات کی خوب دیکھ بھال کرتے رہیں کہ جاگیرداروں کو نمبرداروں کے تقرر میں مشورہ دینے کا جو حق حاصل ہے کیا وہ اس کا ناجائز استعمال تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس سوال پر بھی غور کیا جائے کہ اس وقت جن جاگیرداروں کو نمبرداروں کے تقرر میں مشورہ دینے کا حق ہے، ان کی موت پر یہ حق واپس لے لیا جائے۔ جہاں موجودہ جاگیرداروں کو مزید جاگیریں دینے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جاگیرداروں کو جاگیروں کی صورت میں کافی معاوضہ دیا جائے تاکہ وہ جنس کی بجائے نقدی کی صورت میں مالیہ وصول کیا کریں۔ یہ خواہش جائز تو ہے لیکن احتمال ہے کہ اگر کہیں ان جاگیرداروں کو اپنی جاگیروں میں غیر مزروعہ زمین کی کاشت کی اجازت حاصل ہو گئی اور انہوں نے اس زمین میں کاشت شروع کر دی تو وہ پھر جنس کی صورت میں مالیہ وصول کرنے لگیں گے۔ غلہ بٹائی کے طریقہ سے بعض خرابیاں مثلاً رشوت ستانی وغیرہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس طریقہ کی ممانعت کی جائے۔

سفارش کی جاتی ہے کہ آئندہ جب کبھی کسی شخص کو جاگیر دینا مناسب خیال کیا جائے تو یہ جاگیر صرف نقدی کی صورت میں ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ یہ لازم ہے کہ اگر ان لوگوں کو دوسری قسم کی جاگیریں یا عطیات دیئے گئے تو وہ لوگ جو ان رقبہ جات میں پہلے سے آباد ہیں، بدگمان اور بد اعتماد ہو جائیں گے۔ حال ہی میں جو رقبہ جات بطور جاگیر عطا کئے گئے ہیں، اگر ان کے متعلق ابھی احکام کی تعمیل نہ کی گئی ہو تو اس امر پر سنجیدگی سے غور کیا جائے کہ کیا یہ رقبہ جات جاگیر کے طور پر دیئے جائیں یا نہیں؟ خود جاگیرداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ ہمارے حقوق کو حال ہی میں نقصان پہنچایا گیا ہے۔ جو جاگیردار جنس کی صورت میں مالیہ وصول کرتے ہیں، ان کو ایک ایک نئی جاگیر دی گئی ہے۔ جو قیمت میں ان کی حقیقی جاگیروں کے سو فیصدی برابر تھی۔ تاکہ نقدی کی صورت میں مالیہ جمع کرنے کے طریقہ سے ان کو جو نقصان پہنچے، اس کی تلافی ہو سکے۔ جاگیرداروں نے شکایت کی ہے کہ یہ عوضانہ بہت ہی کم ہے۔ کمیشن اس معاملہ میں جاگیرداروں کے حق میں کوئی سفارش نہیں کرتا۔ بظاہر ان سے نہایت فیاضانہ سلوک کیا جاتا ہے۔

مال کے کاغذات سے واضح ہوتا ہے کہ صوبہ جموں کی بعض جاگیروں کے کاشتکار جاگیرداروں کی زمین چھوڑ کر چلے گئے۔ کیوں کہ ان سے ناجائز طور پر روپیہ اینٹھا جاتا تھا۔ اس طرح جاگیرداروں کی آمدنی کم ہو گئی۔ ہز ہائی نس گورنمنٹ نے جو کارروائی ضروری سمجھی ہے، اس سے صاف طور پر جاگیرداروں اور ان کے کرایہ داروں دونوں کو فائدہ ہے۔ اس لئے اشخاصِ متعلقہ کو شکر گزار ہونا چاہیے۔

جاگیرداروں نے تجویز پیش کی ہے کہ جو دیہات ہم کو حال ہی میں دیئے گئے ہیں، اگر ان کی آمدنی کم ہو جائے تو ہمیں زائد رقبہ جاگیر دیا جائے۔ یہ تجویز تو اس امر کے حق میں ایک اور دلیل ہے کہ زمین کی صورت میں جاگیریں دینے کی بجائے خالص نقدی کی صورت میں دی جائیں۔

جاگیردار مطالبہ کرتے ہیں کہ جاگیرداروں میں سے آنریری مجسٹریٹ مقرر کئے جائیں بظاہر اس مطالبہ کے خلاف کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ صرف موزوں آدمی منتخب کئے جائیں۔

نوبلز سکول (امرا کا مدرسہ) کے قیام کے حق میں کمیشن کوئی سفارش نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس وقت ریاست کو متعدد دوسری تعلیمی اصلاحات کی اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اس تجویز کے حق میں بھی سفارش نہیں کی جا سکتی کہ سب جاگیرداروں کو ایک ہی مقام پر جمع کر دیا جائے۔ یہ تجویز بظاہر ناقابلِ عمل ہے۔ بہت سی درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں استدعا کی گئی ہے کہ بعض جاگیروں کو جن پر حکومت نے اپنا قبضہ کر لیا ہے، بحال کر دیا جائے۔ اور جو کم کی گئی ہیں ان کی توسیع کی جائے۔ یہ معاملات کمیشن کی شرائطِ تحقیقات کی ذیل میں نہیں آتے۔ اس لئے یہ درخواستیں حکام متعلقہ کو پیش کرنا چاہیئں۔ جنگلات اور کانوں میں جاگیرداروں کے حقوق کا سوال بظاہر ہر جاگیر کے اپنے پٹہ یا عطیہ کی شرائط پر منحصر ہونا چاہیے۔

معلوم ہوا ہے کہ ضلع مظفرآباد کی جاگیروں میں سب جاگیروں کے لئے یکساں طور پر ۲۰ فیصدی شرح نذرانہ مقرر کرنے کے لئے کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔ گزارہ خواروں کی طرف سے بھی درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ ان درخواستوں کا خلاصہ یہ ہے کہ گزارہ خواروں کو جاگیرداروں جیسی حیثیت دی جائے۔ گزارہ خوار وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو جاگیرداروں کی طرف سے گزارہ کے لئے رقم ملتی ہے۔ ان درخواستوں کے متعلق کمیشن کو کوئی سفارش نہیں کرنا ہے۔ ریاست نے گزارہ خواروں کی پرورش کے لئے جو قواعد مقرر کئے ہیں وہ نہایت نرم اور فیاضانہ ہیں اور معمولی جاگیروں میں ان سے زیادہ نرم قواعد نہیں ہو سکتے۔

۷ - زرعی زمین سے زراعت پیشہ اشخاص کا اخراج

شکایت کی گئی ہے کہ بعض مواقع پر جب ریاست کو سرکاری کام کے لئے زمین کی ضرورت ہوئی تو زراعت پیشہ لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی زمین سے دستبردار ہو جائیں اور انہیں اس کے معاوضہ میں کہیں اور کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ ان شکایات کے متعلق مفصل حالات طلب کئے گئے ہیں لیکن ابھی یہ کمیشن کو موصول نہیں ہوئے۔ تاہم اصولی لحاظ سے یہ عرضداشت کامل غور کی مستحق ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ اگر کہیں سرکاری اغراض کے لئے کوئی زرعی زمین حاصل کرنا ضروری ہو تو جن لوگوں کو زمین سے بیدخل کیا جائے، انہیں کہیں اور زمین دی جائے۔ تاکہ وہ اس طریقہ سے کسبِ معاش کر سکیں جس کے وہ عادی ہیں۔ اگر زمین کا صرف چھوٹا سا حصہ لیا گیا ہو اور علاقہ میں کوئی اور موزوں زمین نہ ہو تو زمین کا معاوضہ کرنا حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔

زراعت پیشہ لوگوں کے مفاد کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے قانونِ انتقالِ اراضی میں ترمیم کی جائے اور اس میں پنجاب کے قانونِ انتقالِ اراضی کی دفعہ ۱۶ کے مطابق ایک دفعہ شامل کی جائے۔ اس دفعہ میں یہ درج ہے کہ کسی زراعت پیشہ کی زمین دیوانی یا فوجداری عدالت کے کسی حکم یا ڈگری کی تعمیل میں فروخت نہ کی جائے۔ البتہ حکومت کو اختیار ہے کہ وہ مالیہ اراضی وغیرہ کی بقایا وصول کر لے۔ پنجاب کے قانونِ انتقالِ اراضی کی دفعہ ۲ میں "زمین" کی جو تعریف کی گئی ہے، ریاست میں بھی وہی تعریف کی جائے۔

۸ - قانون دادرسی زمینداره[1] اور کوآپریٹو قرضہ

کم و بیش پانچ سال کا عرصہ گزرا کہ یہ قانون نافذ کیا گیا تھا۔ تاکہ زراعت پیشہ لوگوں کو سود خوروں اور بھاری شرح سود سے بچایا جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جن کے لئے یہ قانون جاری کیا گیا تھا، یہ قانون بحیثیت مجموعی بہت مفید ثابت ہوا۔ اس قانون کے ماتحت ریاست کی عدالتوں نے ادائیگی کی جو قسطیں مقرر کی ہیں ان کے متعلق مختلف آرا کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ قسطیں اتنی بڑی بڑی مقرر کی جاتی ہیں کہ اس قانون سے کسی قسم کی امداد ملنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ بعض حالات میں یہ قسطیں مضحکہ خیز طور پر کم مقرر کی گئی ہیں۔ جس سے قرض خواہوں کو بہت نقصان ہوا۔ ایسے مقدمات میں قسطوں کی رقوم کا تعین مقروض کی قوتِ ادائیگی دیکھ کر کیا جانا چاہیے۔ چھوٹے چھوٹے دکانداروں نے جو کاشتکاروں کو ضروریاتِ روزمرہ مہیا کرتے ہیں، یہ درخواست کی ہے کہ ہمیں اس قانون کے نفاذ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس لئے

[1] اعدادِ دیاہمی

کہ ہم کسی معنی میں بھی ساہوکار نہیں ہیں۔ لیکن قانون کی رو سے وہ ساہوکار ہی گنے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے کسی قسم کی سفارش کرنا مشکل ہے۔ اس قسم کی تجارت اور ساہوکارہ میں تفریق کرنا امر محال ہے۔

قانونِ دادرسی زمینداراں کے خلاف جس اہم اعتراض کو حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس قانون کی وجہ سے ساہوکار کاشتکاروں کو پیشگی رقم دیتے ہوئے ان سے اقرارنامہ میں اصل سے زیادہ رقم لکھا لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے ساہوکار سو روپیہ قرض دیتا تھا تو اتنی رقم کے لئے رسید لکھوا لیتا تھا۔ جو اصل رقم سے کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب شرح سود کے متعلق جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان کی تلافی کے لئے قرض خواہ فریق ثانی سے ایک سو روپیہ دیکر دو سو روپیہ بلکہ اس سے بھی زیادہ رقم کی رسید لکھوا لیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کی بددیانتی اکثر ہوتی رہتی ہے۔ جب تک زرعی قرضہ کے موجودہ طریقہ کے بدلے کوئی اور تشفی بخش طریقہ مقرر نہیں کیا جاتا، اس وقت تک کوئی مداوا تجویز کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ صرف یہی ایک قابلِ عمل علاج معلوم ہوتا ہے کہ کواپریٹو قرضہ کے نظام کو ترقی دی جائے۔ اس نظام میں کچھ ترقی بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ تازہ ترین معلومات کے مطابق ریاست میں اب ۴۱، کواپریٹو قرضہ کے بنک ہیں اور ۲۴۳۸ کواپریٹو سوسائٹیاں ہیں۔ ان کا سرمایہ جس سے کام لیا جاتا ہے ۴۹۴۳۲۲۴ روپے بیان کیا جاتا ہے۔ کواپریٹو قرضہ کی تحریک ہز ہائی نس گورنمنٹ کی توجہ کی مستحق ہے۔ لیکن بڑی احتیاط سے اس کی نگرانی کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کو اتنی وسعت نہ دی جائے کہ موثر طریقے سے اس کی نگرانی کرنا ناممکن ہو۔ انتقالِ اراضی کے سلسلہ میں بھی کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن ہر جگہ ان کوششوں کو سب لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ ان بنکوں کا نظام ابھی اور وسیع ہوگا بشرطیکہ کامل حزم و احتیاط سے ان کے تجربہ کو چلایا اور نگرانی کی گئی۔

۹۔ وادیٔ کشمیر کا شالی سٹور

یہ انتظام چند سال سے وادیٔ کشمیر میں جاری ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مزارعین اور شہری خریداروں کو یکساں فائدہ پہنچایا جائے۔ جہاں تک خریداروں کا تعلق ہے اس انتظام کے ماتحت سامان خوراک کی قیمت میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے اور اگر ان کی طرف سے شکائتیں ہوتی بھی ہیں تو خال خال۔ جیسا کہ کسی اور جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مزارع کو غلہ کی اتنی زیادہ قیمت ملتی ہے کہ اسے اس کا نشان گمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مزارع کا تعلق براہِ راست منڈی سے

قائم ہو گیا ہے اور وہی سارا فائدہ اٹھاتا ہے۔

بندوبست مال کی شرائط کے ماتحت ریاست کو حق ہے کہ وہ اپنے مالیہ کی رقم کا ۱/۲ جنس کی صورت میں انہیں نرخوں پر وصول کرے جن کے مطابق بندوبست کیا گیا ہے۔ اس انتظام کو مجوزہ کہتے ہیں۔ اگر اس انتظام کے مطابق عمل کیا جائے تو مزارع بجا طور پر شکایت کر سکتا ہے۔ بگراہی غلہ کا موجودہ انتظام مجوزہ کی جدید صورت سمجھا جاتا ہے یا اس کو اس کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراضات اور حملے بے وجہ کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے، مزارع کو بندوبست کے نرخوں کی بجائے منڈی کے بھاؤ قیمت ملتی ہے۔ منڈی کا بھاؤ بندوبست کے نرخوں سے سو فیصدی زیادہ ہے۔ زمینداروں کو بغیر سود کے قرضہ دیا جاتا ہے۔ اور قدرتی طور پر زمیندار اس طریق کو پسند کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جن دیہات میں یہ انتظام کیا گیا ہے وہاں دیہاتیوں نے ساہوکاروں کے ہتھکنڈوں سے مؤثر طور پر نجات پا لی ہے اور اس سے ان کی خوش حالی میں بہت بڑا اضافہ ہوا ہے۔ شکایت کی گئی ہے کہ بعض مواقع پر سود کی قسم کی رقم وصول کی گئی ہے لیکن اس قسم کے واقعات صرف اسی صورت میں ہوتے ہیں کہ مزارع نے غلہ ادا کرنے کی قابلیت رکھنے کے باوجود اس کے مہیا کرنے سے پہلو تہی کی۔ ایسے حالات میں سود کا لیا جانا بالکل جائز ہے۔

اہلکاران مال کو غلہ کی نگرانی کی سکیم میں مدد دینے کے لئے بعض الاؤنس دیئے جاتے ہیں۔ درخواست کی گئی ہے کہ یہ الاؤنس پہلے کم کر دیئے گئے تھے اور اب ان کو بالکل بند کر دیا جائے۔ ان الاؤنسوں سے کسی کے مفاد کو نقصان نہیں پہنچتا اور مؤثر طریقہ سے تعاون حاصل کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہیں۔ یہ شکایت بھی صحیح نہیں کہ شاہی سٹور کا سارا منافع ریاست کے خزانہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رقم سرکاری خزانہ سے بالکل علیحدہ رکھی جاتی ہے۔ اور یہ غلہ کی نگرانی کی سکیم کو ترقی دینے کے لئے مختص کر دی جاتی ہے۔

مزارعین نے یہ بھی شکایت کی ہے کہ بعض اوقات غلہ کو اس سے زیادہ تولا جاتا ہے جتنا تولا جانا چاہیے۔ یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ شاہی سٹور ایسے محکمہ میں اس قسم کی بے قاعدگیاں نہ ہونے پائیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ انتظام کے ماتحت اس محکمہ کی ریاست کے دیگر محکموں کی نسبت زیادہ مؤثر طریقے سے نگرانی کی جاتی ہے۔ یقین ہے کہ لوگوں میں اصل سے زیادہ تولنے کے متعلق بہت کم شکایات پائی جاتی ہیں۔ یہ فرض کرنے کے لئے بھی کافی وجہ ہے کہ اگر غلہ کی نگرانی کا سلسلہ بند کر دیا جائے تو مزارعین اور خریدار دونوں کو اس کا بہت افسوس ہوگا۔ چنانچہ حال ہی میں

اس کا کافی ثبوت ملا ہے۔ جب لوگوں نے یہ افواہ سنی کہ یہ محکمہ منسوخ کر دیا جائے گا تو انہوں نے بڑے زور شور سے صدائے احتجاج بلند کی

باب ششم

(متفرقات)

۱۔ رشوت ستانی

شکایات موصول ہوئی ہیں کہ ریاست کے ہر محکمہ مثلاً پولیس، جنگلات، مال وغیرہ میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ ادنیٰ اہلکار مثلاً فارسٹ گارڈ، گیم واچر (چوکیدار جنگلات، چوکیدار شکار) دیہاتیوں کے خرچ پر مفت زندگی بسر کرتے ہیں اور دیہاتیوں سے باقاعدہ ٹیکس کی صورت میں رشوت وصول کیا کرتے ہیں۔ بالخصوص پولیس کے خلاف سخت الزامات لگائے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پولیس بیکار محض ہے۔ اس کو عوام سے ناجائز نذرانے یا رشوتیں حاصل کرنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ بلا شبہ ان شکایات میں بہت صداقت ہے۔ تاہم امید ہے کہ اب جب کہ پولیس کا محکمہ ایک تجربہ کار انسپکٹر جنرل کی نگرانی میں آگیا ہے، یہ شکائتیں جلد ہی دور ہو جائیں گی۔ محکمہ تعمیرات عامہ کے خلاف بھی رشوت ستانی کے بہت سے الزامات لگائے گئے ہیں۔

افسوس کہ یہ باور کرنے کی ہر وجہ موجود ہے کہ رشوت خوری کی شکایات بہت حد تک صحیح ہیں۔ لیکن اکثر حالات میں خود عوام زیادہ ملامت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ناجائز نذرانے (رشوتیں) محض اس توقع سے دیئے جاتے ہیں کہ ان کے دینے والوں کو فائدہ ہوگا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بدترین مجرم ریاست کے اہلکار ہی ہیں۔ اس لئے ہز ہائی نس گورنمنٹ کو ہر طرح کوشش کرنا چاہیئے کہ رشوت ستانی میں کمی ہو جائے۔ اس وقت اسی کا ہر طرف دور دورہ ہے۔

رشوت ستانی کے انسداد کے لئے عوام سے کوئی کارآمد تجاویز موصول نہیں ہوئیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ رشوت ستانی کے خلاف موثر انسدادی تدابیر تجویز کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے۔

ایک انسدادی تدبیر کی سفارش کی جاتی ہے۔ جس پر عمل کیا جانا چاہیئے۔ تدبیر یہ ہے کہ اعلیٰ عہدہ داران محکموں کی زیادہ نگرانی اور علاقوں کا پہلے سے زیادہ دورہ کیا کریں۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس وقت ریاست کی مشینری میں حد سے زیادہ مرکزیت پائی جاتی ہے۔ اعلیٰ افسر زیادہ

تو ایسے کاموں میں معروف ہیں جو ماتحتوں کے حوالے کیا جانا چاہیے تھا۔ ان کے اس رویّہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو معائنہ و نگرانی کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ اہلکاران ماتحت بہت کم اختیارات کے مالک ہونے کی وجہ سے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ بالعموم وہ اپنے عہدوں کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے دولت جمع کر لیں۔ یہ بھی شکایت کی جاتی ہے کہ محکموں کے ایگزیکیٹو افسروں میں غیر ضروری طور پر تبادلوں کی بھرمار رہتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ محکمے بہت غیر ذمہ دار بن گئے ہیں اور ان میں رشوت ستانی کا زور بڑھ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محکمے چند سالوں سے کئی بار ایک وزیر سے دوسرے وزیر کو منتقل کئے گئے۔ وزراء کو محکموں کا مستقل انچارج نہ بنانا بہت قابلِ مذمت ہے۔

جہاں کہیں رشوت ستانی کا جرم ثابت ہو، رشوت خور ادنیٰ اہل کاروں کو عبرتناک سزا دینا چاہیے۔ ملازمتوں سے تعلق رکھنے والے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر چوکیداران شکار، چوکیداران جنگلات اور پٹواریوں وغیرہ کی اسامیوں پر مقامی باشندوں کو مقرر کیا جائے تو توقع ہے کہ ان میں بہت کم رشوت ستانی باقی رہ جائے گی۔

شکایت کی گئی ہے کہ تمام اقوام بالعموم اہل کاروں کے جلب زر کا تختہ مشق بنی ہوئی ہیں بعض غرض مند جماعتوں نے اپنا یہ وطیرہ بنا رکھا ہے کہ وہ رعایائے ریاست کو ہز ہائی نس کی خدمت میں بآسانی باریاب ہونے نہیں دیتیں۔ پختہ طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ اگر رعایا کی شکایات مناسب موقع پر ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کے گوش گزار کی جائیں تو بہت سی خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر اعلیٰ احکام یا دوسرے افسر مہاراجہ بہادر کی خدمت میں اس لئے کسی کو باریاب نہ ہونے دیں کہ وہ آپ کی خدمت میں اپنی شکایات پیش کرے گا تو ایسے حکام کی سختی سے گوشمالی کرنا چاہیے۔

۲۔ کار سرکار

جہاں تک بیگار سے مناسب اجرت کی ادائیگی کے بغیر مزدوروں کی جبری طلبی کا تعلق ہے۔ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کے احکام کے ماتحت اس کی ممانعت کی جا چکی ہے۔ جہاں کہیں بار برداری یا سڑکوں وغیرہ کی مرمت کے واسطے مزدوروں کی طلبی ضروری ہوتی ہے۔ موجودہ احکام کے مطابق ہر حالت میں وہی اجرت دینا لازمی ہے جس کے لئے مزدور حقدار ہے۔ بیگار سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خاص خاص جماعتوں مثلاً پیرزادوں، سیدوں، برہمنوں،

ٹھاکروں، راجپوتوں، سکھوں وغیرہ کو بھی بعض حالات میں مستثنیٰ رکھا جاتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ کارسرکار کے لئے مزدور مہیا کریں تو گاؤں کی تمام زراعت پیشہ جماعتوں پر یکساں کام کا بوجھ ڈالا جائے۔ شکایات موصول ہوئی ہیں کہ اکثر حالات میں اہل کار اس بارے میں ہز ہائی نس کے احکام کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور دیہاتیوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے ان اہلکاروں کا سامان دور دراز مقامات تک اٹھا کر لے جائیں وہ دیہاتیوں سے اور قسم کی خدمات بھی مفت لیتے ہیں۔ لازم ہے کہ ہز ہائی نس کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ حکامِ بالا کو اپنا فرض سمجھ کر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارے ماتحت اہلکاروں سے اس معاملہ میں خطا سرزد نہ ہو۔

سرحدی اضلاع سے راس (RAS) کے طریقہ کے متعلق شکایات موصول ہوئی ہیں۔ اس طریقہ کے ماتحت بعض دیہات کو باری باری لیہ ٹریٹی روڈ (LEH TREATY ROAD) اور دیگر مقامات میں باربرداری کے لئے قلی اور حیوانات مہیا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ مقامات متعلقہ میں اس طریقہ کو ترک کر کے ٹھیکیدار مقرر کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ دور دراز مقامات میں جہاں موسم سرما میں اکثر راستے بند ہو جاتے ہیں، ٹھیکیدار نہیں مل سکیں گے جہاں کہیں ممکن ہو ٹھیکیداروں کے ذریعہ کام لینے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اور دوسرے مقامات پر بیگار پر کام کرنے والے دیہاتیوں کو ان کی مشقت کا مناسب معاوضہ دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ تمام اہل کاروں کو متنبہ کر دیا جائے کہ وہ باربرداری کی اجرت اور دیہات سے ان کو جو چیزیں مہیا کی جاتی ہیں، ان کی مناسب قیمت ادا کریں۔ مفت گھاس اور لکڑی مہیا کرنے کے معاملہ میں کسی خاص جماعت کو مستثنیٰ نہ رکھا جائے۔ افسروں کو دیہات میں جو سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں، ان کے معاوضہ میں ادا شدہ رقوم کے اندراج کے لئے اکثر دیہات میں رجسٹر تو ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ عملی طور پر کچھ زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ نمبردار زیادہ تر ان پڑھ ہوتے ہیں۔ وزیر وزارتِ لداخ کو چاہیے کہ وہ بھی اس معاملہ میں دلچسپی لے اور جب وہ لیہ سے سکردو اور سکردو سے لیہ تک سفر کرے تو وہ نمبرداروں سے استفسارِ حال اور ان کی شکایات معلوم کیا کرے۔

۳۔ جنگلات

دیہاتیوں نے اپنی شکایات کے دوران میں بیان کیا ہے کہ اگرچہ ہم کو سرکاری قواعد

کے مطابق حق حاصل ہے کہ ہم مکان بنانے اور دوسرے اغراض کے لئے مفت لکڑی حاصل کریں۔ لیکن ہمیں اہلکاران جنگلات رشوت کے بغیر ان سہولتوں سے متمتع نہیں ہونے دیتے۔۔۔ چیف کنسرویٹر جنگلات نے یکمال مہربانی کمیشن کو وہ تجاویز بتائی ہیں، جن سے اس معاملہ میں اصلاحات ہو سکتی ہیں۔ ان تجاویز کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ہر ذیل میں ڈویژنل فارسٹ افسر کی نگرانی میں دیہاتیوں کو سالانہ لکڑی تقسیم کی جائے۔ ذیلدار اور مقامی نمبردار بھی تقسیم کے وقت موجود رہیں اور سائلوں کی ضروریات بیان کرنے کا فرض ان کے ذمہ ڈالا جائے۔ ڈویژنل فارسٹ آفیسر احکام صادر کرے کہ کتنے درختوں کی لکڑی کاٹنے کی اجازت دی جائے۔ اسے یہ بھی اختیار دیا جائے کہ عام حالات میں جس قدر زیادہ سے زیادہ درخت کاٹنے یا جتنی مرتبہ درخت کاٹنے کی اجازت دی جاتی ہے وہ خاص حالات میں اس سے بھی زیادہ مرتبہ اور زیادہ تعداد میں درخت کاٹنے کے لئے احکام صادر کرے۔ پھر ان احکام کے مطابق رینجر ایک ماہ کے اندر اندر درختوں پر نشان لگائے۔

ڈویژنل فارسٹ آفیسر کو محکمہ آڈٹ (محاسبی) کو قبل از وقت اطلاع دیئے بغیر تمام گیلیاں، ادنیٰ درجہ کے درخت اور کٹی ہوئی لکڑی فروخت کرنے کا اختیار دیا جائے۔ یہی اختیار اجارہ داروں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ڈویژنل فارسٹ آفیسر بخوبی جانچ پڑتال کرتا رہے کہ اس رعایت سے محکمہ جنگلات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے کہ اس طرح جنگل کوڑا کرکٹ سے جس کا وہاں پڑا رہنا اچھا نہیں، صاف ہو جائے گا۔

کمیشن کی رائے میں ان تجاویز سے دیہاتیوں اور دوسرے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس لئے ان پر عمل کیا جائے۔ اعلیٰ حکام محکمہ جنگلات اس انتظام کی مناسب تکمیل کی دیکھ بھال کرنا اپنا فرض سمجھیں۔

جنگلات سے گری ہوئی اور خشک لکڑی کے اٹھانے اور زراعتی آلات کے بنانے کی غرض سے لکڑی دینے کے متعلق محکمہ جنگلات کے جو قواعد ہیں، حتی الامکان ان کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے اور ماتحت افسران محکمہ جنگلات کو متنبہ کیا جائے کہ وہ ان قواعد کی پوری پوری تعمیل کریں۔ بظاہر یہ قواعد کافی نرم ہیں۔ ان میں درج ہے کہ دیودار کے سوا باقی تمام گرے ہوئے اور سوکھے درخت اور لکڑی سال بھر مفت اٹھائی جا سکتی ہے۔ البتہ اس مقام کے درخت نہیں اٹھائے جا سکتے ہیں، جہاں درخت کاٹنے اور اٹھانے کا کام ہو رہا ہو۔

جنگلات کے ٹھیکوں کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ریاستی باشندوں کو ترجیح دی جائے۔ اگر سرکاری مفاد کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو بے وجہ بڑے بڑے ٹھیکے دینے سے، پرہیز کیا جائے تاکہ ریاست کے باشندوں کو مقابلہ کا بہتر موقع مل سکے۔

۴ - رکھ اور شکار گاہیں

بہت شکایت کی گئی ہے کہ شکارگاہوں سے جنگلی جانور نکل کر کسانوں کے کھیتوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچاتے ہیں اور کھیتوں کو اس قسم کی تباہی سے بچانے کی کوشش کی جائے تو شکارگاہ کے چوکیدار رشوت کا مطالبہ کرتے اور مقدمہ کی دھمکی دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ریاست کے بعض حصص میں جنگلی جانور بہت زیادہ نقصان کرتے ہیں۔ بعض اوقات تجویز پیش کی جاتی رہی ہے کہ ریاست بھر میں جتنی شکارگاہیں ہیں ان کے گرد مضبوط جنگلے بنا دیئے جائیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز مالی لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔ تاہم دیہاتیوں کو معقول سہولتیں دی جائیں تاکہ وہ جس نقصان کی شکایت کرتے ہیں اس سے وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ مقررہ فیس پر بندوق کے لائسنس دینے کے لئے دیہاتیوں کی درخواستوں کو فی الفور منظور کر لیا جائے۔ اگر اس کے خلاف کوئی خاص وجہ نہ ہو تو زمینداروں کو کھیتوں میں فصلوں کا نقصان کرنیوالے جنگلی حیوانات کے مارنے کی اجازت دی جائے اور ان کے تلف کرنے میں مشکلات نہ پیدا کی جائیں۔

شکایت کی گئی ہے کہ ریاست کے بعض حصوں میں بلا ضرورت شکارگاہوں، رکھوں اور جنگلات کو وسیع کیا گیا ہے۔ جس سے کاشت کاری میں مزاحمت ہوتی ہے۔ مکمل معلومات تو نہیں مل سکیں تاہم سفارش کی جاتی ہے کہ اگر حکومت کے مفاد کو نامناسب نقصان نہ پہنچتا ہو تو موجودہ رکھوں اور جنگلات کے کناروں پر کاشت کاری کی غرض سے زرعی زمین بڑھانے کے لئے کسانوں کی درخواستوں پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔

کشتواڑ سے شکایت موصول ہوئی ہے کہ رکھ گری کے بند کئے جانے سے دیہاتیوں کو بہت زیادہ مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ رکھ گری کے بند کئے جانے سے دیہاتی قدیم رسم کے مطابق خود رو موٹی گندم جمع نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا ہے کہ محکمہ متعلقہ اس پابندی کے دور کرنے کے لئے تدابیر عمل میں لا رہا ہے۔

۵- محصول چونگی

محکمہ چونگی کے خلاف تاجروں اور دیگر اشخاص نے بہت شکایت کی ہے جو دیہاتی یا دوسرے

اشخاص ریاست کی سرحد کے بالکل قریب رہتے ہیں، ان کے لئے قدرتی طور پر چونگی کا محکمہ ہمیشہ سے تکلیف کا باعث بنا ہوا ہے۔ بظاہر ان مشکلات کا بالکل دور کرنا ممکن نہیں۔ کیوں کہ چونگی اور محصول جمع کرنے کے انتظامات کو دنیا کے کسی حصہ میں بھی پسند نہیں کیا جاتا۔ تاہم بار بار خفیہ دورے کر کے اس بات کا خیال رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ محکمہ کے اہل کار لوگوں کو نامناسب طور پر خوفزدہ نہ کرنے پائیں۔

زراعت پیشہ لوگوں نے شکایت کی ہے کہ چونگی وصول کرنے کے لئے گنے کو نامناسب طور پر پھلوں میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ یہ شکایت جائز معلوم ہوتی ہے۔ گنے کو زرعی پیداوار کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ اس طرح گنے پر موجودہ قواعد کے مطابق چونگی نہیں دینا پڑیگی۔

سوکھی کھالوں پر جو محصول برآمد لگایا جاتا ہے۔ اس سے بھی بہت بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ ٹیکس زیادہ تر اس لئے عائد کیا گیا ہے کہ جموں کے کارخانہ چرم کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔ یہ بات شک سے بالاتر نہیں کہ ٹیکس کے اضافہ سے جن نتائج کی توقع کیجاتی ہے، کیا وہ اسے حق بجانب قرار دینے کے لئے کافی ثابت ہوں گے۔ جب کارخانہ اتنا عرصہ کام کر چکے کہ صورت حال کا اندازہ لگانا ممکن ہو تو فی الفور اس سوال پر غور کیا جائے۔

جب ریاست کی مالی حالت اجازت دے تو دواؤں پر محصول درآمد کم کرنے کے سوال پر بھی غور کیا جائے۔

سرحدی اضلاع سے شکایت موصول ہوئی ہے کہ حال ہی میں اس مال پر جو ریاست کے اس طرف کے حصہ میں درآمد کیا جاتا ہے، دو فیصدی محصول لگایا گیا ہے۔ حالاں کہ اس مال پر پہلے ہی ریاست کے کسی اور مقام پر محصول ادا کر دیا گیا ہوتا ہے۔ معلومات موصولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس محصول کو بند کر دیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اگر یہ محصول بند نہ کیا گیا ہو تو اب بند کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ ایک حصہ ریاست سے دوسرے حصہ ریاست میں جانے والے مال پر محصول لینا حق بجانب ہے۔

تاجروں نے شکایت کی ہے کہ ہمیں بعض معاملات میں حکام محکمہ محصول بلاوجہ تکلیف دیتے ہیں۔ حال ہی میں قانون میں ایک تبدیلی کی گئی ہے۔ جس کے مطابق صرف اسی صورت میں محصول درآمد سے معافی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ جو مال ریاست سے باہر لیبنڈ کے لئے بھیجا گیا ہو۔ وہ وصول کرنے والے سے واپس آ گیا ہو۔ اس وقت قانون یہ ہے کہ اس قسم کا تمام مال برآمد

سے قبل حکام محکمہ محصول کو دکھا لیا جائے ورنہ محصول کی معافی کا مطالبہ نامنظور کر دیا جائے گا۔ اگر ناجائز ذرائع (رشوت) سے اہلکاران متعلقہ کو جلد ہی کام کرنے پر آمادہ نہ کیا جائے تو اکثر تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی معتبر شہادتیں موجود ہیں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محکمہ محصول نے تاجروں کے مال کا کتنا نقصان کیا۔ مثلاً شالوں پر محکمہ کسٹم کی مہر لگائی گئی تا کہ ان کے پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ لیکن مہر کچھ ایسے طریقے سے لگائی گئی کہ شال کا فروخت کرنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج سے کچھ عرصہ پیشتر جو قانون رائج تھا، اس کے ماتحت اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ محکمہ محصول سے دوبارہ درآمد کے محصول کی معافی کا مطالبہ کرنے کے لئے مال برآمد سے قبل محکمہ کے حکام کو دکھا لیا جائے۔ اس وقت اتنا ہی کافی سمجھا جاتا تھا کہ جب مال واپس آ گئے تو مال اور مطلوبہ شہادت مثلاً بہی کھاتہ اور مال واپس کرنیوالے گاہک سے تاجر کی خط و کتابت وغیرہ محکمہ کسٹم کو دکھا لی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کا حکام بالا کو علم بھی نہ ہو سکا۔

اس لئے کمیشن کی رائے میں کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نہ کم از کم ان مستند تاجروں کے معاملہ میں جن کی تصدیق و تائید انجمن تجار کرنے کو تیار ہے، سابقہ ضابطہ کی تجدید کر دی جائے۔ اگر کسی شخص نے، مال کے کئی نگ ایک ہی وقت میں واپس کر دیئے ہوں تو معافی محصول کی ایک ہی درخواست کافی سمجھی جانی چاہیے۔

یہ بھی شکایت کی گئی ہے کہ ریاست میں باہر سے جو نمونے آتے ہیں، جب ان کی واپسی پر محصول درآمد کی واپسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ تو محکمہ جلد توجہ نہیں کرتا جس سے مطالبہ واپسی کا ثبوت بہم پہنچانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس معاملہ میں قانون کی پوری پوری تعمیل کی جانی چاہیے۔

بارہا شکایت کی گئی ہے کہ محکمہ کسٹم کے حکام تاجروں کو اپنے مطالبات بہت عرصہ کے بعد پیش کرتے ہیں۔ انسپکٹر جنرل نے جو معلومات ہم پہنچائی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ کسٹم کا محکمہ تین ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد تاجروں سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی ایسے مطالبات کبھی زائد المیعاد نہیں سمجھے گئے۔ اکثر موقعوں پر یہ مطالبات پانچ سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد پیش کئے گئے۔ اس بارے میں محکمہ کسٹم کے اہلکاروں کو قواعد کی طرف توجہ دلانی چاہیے۔ اور اگر کبھی مقررہ وقت کے اندر کارروائی نہ کی گئی ہو تو اس کے لئے خطاکار اہلکاروں کو سخت سزا دینا چاہیے۔ مقررہ میعاد گزرنے کے بعد مطالبات نہ پیش کئے جائیں۔

انجمن تجار نے درخواست کی ہے کہ محکمہ کسٹم وقتاً فوقتاً جو شرح قیمت مقرر کرتا ہے وہ ہمیشہ ناجائز

یا غیر صحیح ہوتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرح قیمت کا گوشوارہ کسٹم کے صدر دفتر میں نمایاں جگہ پر چسپاں کیا جائے۔ اور اس کی ایک نقل انجمن تجار کو مہیا کی جائے اور اگر یہ انجمن بازار کی قیمتوں کے مطابق اس گوشوارہ میں کسی تبدیلی کی درخواست کرے تو اس پر مناسب غور کیا جائے۔

اس وقت بعض ایسے مراعات یافتہ تاجر ہیں، جن کو اجازت ہے کہ وہ دومیل کے چونگی خانہ میں محصول ادا کئے بغیر کشمیر میں اپنا مال لے آئیں اور اس کا محصول سری نگر میں ادا کریں۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں نہ تاجروں اور محکمہ کسٹم کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تاجروں کو بھی یہی رعایت دی جائے، جن کے لئے انجمنِ تجار ضمانت دینے کو تیار ہے۔

۶ - دھڑت

دھڑت چونگی کا ایک قدیم طریقہ ہے جو ریاست کے بعض دیہات میں رائج ہے۔ اس کے ماتحت چونگی جمع کرنے کا حق سب سے زیادہ بولی دینے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ حفظانِ صحت کی ترقی اور دیگر ایسے ہی اغراض میں صرف کی جاتی ہے۔ عام حالت میں اس چونگی کا بوجھ خریداروں پر پڑتا ہے۔ جب تک کوئی قصبہ اتنا بڑا نہ ہو جائے کہ اس میں ایک میونسپلٹی کا قیام مناسب ہو، اس وقت تک ٹیکس کی کوئی اور موزوں صورت تجویز کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ تاہم مناسب ہے کہ خرچ کے معاملہ میں جہاں تک ممکن ہو شہر کا ذمہ دار افسر مقامی باشندوں سے مشورہ لے لیا کرے۔

۷ - سیاحوں کا دفتر تحقیقات

سری نگر میں سیاحوں کا دفتر تحقیقات جاری رکھنے کے خلاف بعض اعتراضات کئے گئے ہیں۔ یہ محکمہ تاجروں اور سیاحوں کے معمولی معمولی تنازعات کا کم و بیش سرسری کارروائی کے بعد فیصلہ کر دیتا ہے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ اس دفتر کو سیاحوں سے زیادہ تاجروں کی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ محکمہ مجموعی طور پر چھوٹے تاجروں کے مفاد کی حفاظت میں بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اگر اس کا مناسب انتظام کیا جائے تو جو سیاح تھوڑے عرصہ کے لئے کشمیر آتے ہیں وہ اس پر زیادہ اعتماد کرنے لگیں گے اور کاروبار کو بھی ترقی حاصل ہوگی۔ دفتر کے ذمہ دار افسر کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو بہت کم تکلیف ہونا چاہیے۔

۸ - محکمہ تعمیراتِ عامہ

شکایت کی گئی ہے کہ محکمہ تعمیراتِ عامہ کے حکام سڑکوں کے بنانے اور ان کو درست حالت

میں رکھنے اور آب پاشی کے لئے سہولتیں اور لوگوں کے لئے پینے کا پانی مہیا کرنے میں اتنے مستعد نہیں، ہیں جتنا ان کو ہونا چاہیے۔

واقعی سڑکوں کی حالت یہ ہے کہ ریاست کے اکثر حصوں میں نامہ و پیام اور آمد و رفت کا سلسلہ بہت خراب ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ تعمیراتِ عامہ کے حکام ایک قطعی پروگرام تیار کریں۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ جن اضلاع میں سڑکوں کی ضرورت ہے وہاں ضرورت کی اہمیت کے لحاظ سے کون کون سی سڑکیں تیار کی جائیں گی۔ ایک نقشہ تیار کیا جائے۔ جس میں حسبِ ذیل امور کی وضاحت کی گئی ہو۔

۱۔ کون سی سڑکیں اس وقت موجود ہیں؟

۲۔ کون سی سڑکیں زیرِ تعمیر ہیں؟

۳۔ کون سی سڑکیں زیرِ تجویز ہیں؟

محکمہ تعمیراتِ عامہ نے آب پاشی کے سلسلہ میں اچھا کام کیا ہے۔ حال ہی میں جو سب سے بڑا کام انجام دیا گیا ہے، وہ تحصیل ہند واڑہ کشمیر کی نہر زینہ گیر کی تکمیل ہے۔ اس نہر سے، ۲۰۰ ہ۱ ، ایکڑ زمین کی آب پاشی ہوتی ہے۔ اور پہلی دو فصلوں کا آبیانہ معاف کر دیا گیا ہے۔ درخواست کی گئی ہے کہ مزید نہریں کھود دی جائیں۔ لیکن اس سلسلہ میں کوئی خاص تجاویز موصول نہیں ہوئیں۔ معلوم ہوا ہے کہ محکمہ تعمیراتِ عامہ نے بہت سی سکیمیں تیار کی ہوئی ہیں۔ جن نہروں سے آمدنی اور فائدہ کی توقع ہے، ان کو مالی حالات اجازت دیں تو کھودنا شروع کر دیا جائے۔ صوبہ جموں کے علاقہ جات کنڈی میں کچھ عرصہ سے محکمہ تعمیرات نے بہتر پانی مہیا کرنے کی غرض سے تالاب اور کنوئیں بنانے شروع کئے ہیں۔ گزشتہ ۸ سال میں اس کام کے لئے ۱۴۹۱۴ ۱۴ روپیہ منظور کیا جا چکا ہے۔ سالانہ گرانٹ کی رقم ۵۰،۰۰۰ روپیہ ہے۔ اب تک ۴۳۴ تالاب بنائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور تالاب زیرِ تعمیر ہیں۔ اور نئے تخمینے تیار کئے جا رہے ہیں۔ ٹیوب ویل بنانے کا بھی تجربہ کیا گیا ہے۔

مناسب ہے کہ چرار شریف کشمیر میں پینے کے پانی کا اطمینان بخش انتظام کیا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس غرض سے ایک سکیم تیار کی گئی ہے۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ جب مالی حالت اجازت دے اس کام کے لئے روپیہ منظور کیا جائے۔

صوبہ جموں سے شکایات موصول ہوئی ہیں کہ دریائے چناب کے کنارے جو دیہات واقع ہیں،

ان کو دریا کے کنارے بہہ جانے سے کافی نقصان ہوا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکام ریاست اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔ اور دیہات کو سیلاب سے بچانے کے لئے بند بنانے یا اگر ممکن ہو تو دریا کا رخ بدلنے کے سوال پر بھی غور ہو رہا ہے۔ اس معاملہ میں حکومت پنجاب کے خیالات معلوم کرنا ضروری ہیں۔

شکایت کی جاتی ہے کہ نہر سے پانی بہہ نکلنے کے سبب تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں سخت نقصان ہوا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ریاستی حکام اس معاملہ پر غور کر رہے ہیں اور یہ معاملہ ہے بھی غور کے قابل۔

گلگت کی ایک عرضداشت میں شکایت درج ہے کہ بہت سے پل ٹوٹ گئے ہیں اور ان کے دوبارہ بنانے کی ضرورت ہے۔ محکمہ تعمیرات عامہ کے حکام سے اس بارے میں حتی الامکان جلد سے جلد رپورٹ طلب کی جائے۔

اس امر کی بھی بہت سی شکایتیں موصول ہوئی ہیں کہ محکمہ تعمیرات عامہ ٹھیکے دینے میں جو طریقے اختیار کرتا ہے وہ حد درجہ قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ حکام مجاز فرقہ وارانہ جانبداری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور وہ تمام اقوام کے ٹھیکیداروں سے پورا پورا انصاف نہیں کرتے۔ کمیشن کو ٹھیکوں کی جو فہرستیں مہیا کی گئی ہیں ان سے بظاہر نہیں ہوتا کہ جو ٹھیکے دئیے گئے ہیں ان سے کسی قسم کے فرقہ وارانہ سوال کا تعلق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خاص خاص ٹھیکیداروں کے حق میں فیصلہ کرنے کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ حد درجہ بے ہودہ ہیں۔ بالخصوص زیادہ منافع والے ٹینڈروں کو مسترد کرنے کی بیان کردہ وجوہ تو اکثر لحاظ سے نہایت تعجب خیز ہیں۔ یہ خیال کرنے کی کافی وجہ ہے کہ حکام بعض وجوہ سے خاص خاص ٹھیکہ داروں کی نسبت ذاتی طور پر زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ سفارش کی جاتی ہے کہ ریاست اور عوام کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹھیکہ دینے کے متعلق کوئی زیادہ سخت ضابطہ نافذ کیا جائے۔ مناسب ہوگا کہ ٹینڈر طلب کرنے کے لئے اشتہارات مقررہ مرکزوں میں نمایاں طور پر چسپاں کئے جائیں۔ اور ان اشتہارات میں یہ لکھ دیا جائے کہ ٹینڈر کہاں اور کب وصول کئے جائیں گے۔ اور مقررہ وقت اور مقام پر ٹھیکہ داروں یا ان کے مقرر کردہ نمائندوں کے سامنے ٹینڈر کھولے اور پڑھ کر سنائے جائیں۔ اس تدبیر کا نہایت خوشگوار اثر پڑے گا۔ کامیاب ٹینڈر دہندہ کا نام اور نرخ ایک نمایاں جگہ پر جو خاص اسی غرض کے لئے مقرر کی گئی ہو، چسپاں کئے جائیں۔ یہ بھی بتا دیا جائے کہ کامیاب ٹینڈر دہندہ کے علاوہ جن اگلے تین ٹینڈر دینے والوں

کے نرخ کم تھے انہوں نے کیا نرخ پیش کئے تھے۔ کسی منظور شدہ ٹھیکیدار کے نہایت موزوں ٹینڈر کو مسترد کرنے کی تشفی بخش وجوہ بیان کی جائیں۔ اعلیٰ حکام اس معاملے اور منظور شدہ ٹھیکیداروں کی فہرستوں کا متواتر خیال رکھیں۔ جہاں تک ممکن ہو ٹینڈر طلب کئے بغیر ٹھیکے دینے کے طریقہ کی ممانعت کی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی ٹھیکیداروں کو ٹھیکے دینے کا جو اصول مقرر کیا گیا ہے اس کی پوری پوری پابندی نہیں کی جاتی۔ اس اصول سے تغافل نہیں برتا جانا چاہیے۔

۹۔ میونسپلٹیاں

کمیشن کے روبرو میونسپل انتظام کے متعلق بہت سی شکایات پیش کی گئی ہیں۔ ان شکایات کا بیشتر حصہ سرینگر سے تعلق رکھتا ہے۔ تازہ ترین مردم شماری کے مطابق اس شہر کی آبادی ۱۷۳۵۷۳ ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ اور کوئی منظم پروگرام نہ ہونے کے باوجود بہت وسیع ہو گیا ہے۔ شہر کے اکثر حصے بہت گندے ہیں۔ گلیاں (اگر ان کو گلیاں کہنا بجا ہے) نہایت تکلیف دہ اور تنگ ہیں اور ان کا فرش بھی نہیں۔ اس کی وجہ سے تمام جماعتوں اور تمام اقوام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ شکایت کی گئی ہے اور یہ شکایت کسی حد تک بجا بھی ہے کہ بلے پرا اور شہر کے بیرونی رقبہ کی وجہ سے بعض اوقات سول لائن بھی کہا جاتا ہے) اصلاح اور ترقی میں بلا ضرورت بہت زیادہ رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ اور خاص شہر کی اشد ضرورتوں کا کوئی تدارک نہیں کیا جاتا۔ سرینگر شہر کی صفائی کا معاملہ نہایت مشکل ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں ہز ہائینس گورنمنٹ نے اس معاملہ کی طرف توجہ مبذول کی ہے اور شہر کی صفائی پر بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ حفظانِ صحت کے انتظامات کی اصلاح کا کام بڑی مضبوطی سے شروع کیا جائے۔ اور جب مالی حالت اجازت دے تو بتدریج تسلی بخش شاہراہ عام بنائے جائیں۔

جموں کی حالت سری نگر سے مسلمہ طور پر بہتر ہے اور اس میں بہت سی جدید اصلاحات جاری کی گئی ہیں۔ لیکن کشمیر کے سب سے بڑے شہر (سری نگر) کے مقابلہ میں جموں کا معاملہ اتنا اہم نہیں جموں تو تھوڑے عرصہ سے ہی آباد ہوا ہے۔ جموں کی میونسپلٹی کے متعلق ایک نہایت اہم شکایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قبرستان جانے کے لئے کوئی موزوں راستہ نہیں۔ اس معاملہ پر غور کیا جانا چاہیے۔

میونسپلٹیوں کی ہیئتِ ترکیبی کے متعلق جو سوالات ہیں وہ کمیشن کے دائرہ تحقیقات سے باہر ہیں۔ (اس لئے ان پر بحث نہیں کی گئی۔)

۱۰۔ ہسپتال

درخواست کی گئی ہے کہ ریاست میں طبی سہولتوں کی توسیع و اصلاح کی بڑی ضرورت ہے۔ ڈسپنسریوں کی تعداد میں چند سالوں سے بہت اضافہ ہوا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اب ان ڈسپنسریوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔ سفری ڈسپنسریاں اس کے علاوہ ہیں۔

صوبہ جموں	۴۵	ڈسپنسریاں
صوبہ کشمیر	۴۰	″
اضلاع سرحد	۱۷	″
میزان	۱۰۲	″

ریاست کے اکثر اضلاع میں مزید ڈسپنسریاں کھولنے کے لئے ایک قطعی پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ ہر صوبہ میں ہر سال ۵ نئی ڈسپنسریاں کھولی جائیں۔ اور اگر مالی حالات اجازت دیں تو ہر سال دو یا تین ڈسپنسریوں کے لئے نئی عمارتیں تیار کی جائیں اور باقی ڈسپنسریوں کے لئے مکانات کرایہ پر لئے جائیں۔ کمیشن کے خیال میں اگر اس پروگرام پر عمل کیا جائے تو یہ فی الحال ریاست کی اہم ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اس قدر اور سفارش کی جاتی ہے کہ ہر ڈسپنسری میں ایک تربیت یافتہ دائی ملازم رکھ لی جائے۔ اس سے لوگوں کو بہت فائدہ رہے گا۔

اس امر کی شکایات بھی موصول ہوئی ہیں کہ بعض حالات میں مقامی میڈیکل افسر اپنے مریضوں کی ضروریات کا مناسب خیال نہیں رکھتے۔ مریضوں کو جو دوائیں دی جاتی ہیں، وہ ہمیشہ خراب ہوتی ہیں۔ اس قسم کی اکثر شکایات کا صحیح ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم اس میں بہت کچھ صداقت نظر آتی ہے۔ اس معاملہ میں بھی انسدادی تدبیر یہی ہے کہ محکمہ کی زیادہ سے زیادہ نگرانی کی جائے۔

حکام کم از کم ایسے حالات میں کہ میڈیکل افسروں کے متعلق یہ شبہ ہو کہ وہ اپنے فرائض منصبی سے تغافل برتتے ہیں۔ ان افسروں کی پرائیویٹ پریکٹس پر پابندیاں عائد کرنے کے سوال پر غور کریں۔

۱۱۔ صنعتوں کی ترقی

مطالبہ کیا گیا ہے کہ ریاست جدید صنعتوں کے قیام اور نئے کاروبار کھولنے کے لئے،

عوام کی حوصلہ افزائی زیادہ مستعدی سے کرے۔ اس بارے میں کوئی خاص عملی تجاویز نہیں موصول ہوئیں۔ کمیشن کے خیال میں صنعت و حرفت کے میدان، جن میں ترقی اور فائدہ کی امید ہو سکتی ہے پھلوں اور پارچہ بافی (مثلاً پٹو، پشمینہ، غالیچہ) کی صنعتیں ہیں۔ صنعت پارچہ بافی کے لئے ریاست نے پروفیسر بارکر (لیڈز یونیورسٹی) کا ماہرانہ مشورہ لیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے حال ہی میں حکومت کی دعوت پر کشمیر کی سیاحت کی تھی۔ ان کی رپورٹ عنقریب شائع کی جائے گی۔

چند سالوں سے پھلوں کی صنعت کو ایک مرض سے جسے سانجوسی سکیل (SANJOSE SCALE) کہتے ہیں سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور اس کی ترقی کی راہ میں روڑا اٹک گیا ہے۔ اکثر باغ تباہ ہو گئے ہیں۔ اور اکثر تباہ ہو رہے ہیں۔ باغوں کی حالت نہایت خطرناک ہے۔ یہ مرض بڑی تیزی کے ساتھ ایک باغ سے دوسرے باغ میں پھیل رہا ہے۔ اس کے انسداد کے لئے ریاست کے حکام نے ایک ماہر کی خدمات طلب کی ہیں۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ بظاہر اس معاملہ میں اور زیادہ مستعدی دکھانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے پرائیویٹ طور پر پھلوں کی کاشت کرنے والوں کا تعاون حاصل کرنے اور انہیں بیمار درختوں کے کاٹنے پر آمادہ کرنے کے لئے پوری کوشش کی جائے۔ کیونکہ پھلوں کی صنعت کی توسیع سے بہت منافع حاصل ہو سکتا ہے۔

اسوقت جس اہم ترین صنعت پر ریاست کا قبضہ ہے وہ ریشم کی صنعت ہے۔ اس صنعت کی بدولت کثیر التعداد کاریگروں کو ملازمت ملی ہوئی ہے۔ جموں اور کشمیر دونوں صوبوں کے مزارعین کو ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے بیج مہیا کئے جاتے ہیں اور وہ بھی اس صنعت کی بدولت خوب کماتے ہیں۔ سری نگر میں کچا ریشم تیار کرنے کے علاوہ حال ہی میں ریشمی کپڑا بنانے والا کارخانہ قائم کیا گیا ہے۔ جو کسی حد تک بیکاری کا مسئلہ حل کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ افسوس ہے کہ چند سالوں سے صوبہ کشمیر کی صنعت ریشم روبہ زوال ہے۔ کیوں کہ ریشم کا بازار بہت مندا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اگر منتظمین زیادہ مستعد اور اولوالعزم ہوتے تو ریاست کا محکمہ ابریشم محصولات کی موجودہ شرح کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان میں اپنا کاروبار بڑھا سکتا تھا۔

سفارش کی جاتی ہے کہ مقامی کارخانہ داروں کی ہر ممکن طریق سے حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور جو چیزیں ریاست میں تیار ہو سکتی ہیں۔ ہز ہائینس گورنمنٹ حتی الامکان بیرون ریاست کی فرموں یا غیر

ریاستی باشندوں کو ان کی فرمائش نہ بھیجے۔ ریاست کو جسقدر اشیاء کی ضرورت ہو، ان کے ٹھیکوں کے لئے حتی الامکان وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو محکمہ تعمیرات عامہ کے ٹھیکوں کے متعلق تجویز کیا گیا ہے۔

۱۲۔ سٹیٹ سبجکٹ سرٹیفکیٹ

معلوم ہوتا ہے کہ عام پبلک کو سٹیٹ سبجکٹ سرٹیفکیٹ کے (جس کا حصول سرکاری ملازمت اور دیگر اغراض کے لئے ضروری ہے)، موجودہ قواعد کی وجہ سے ناحق تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ زمیندار شکایت کرتے ہیں کہ جب ہمیں اس سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے تو ہمیں اپنے ضلع کے صدر مقام تک سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ سفر اکثر حالات میں طویل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور اس میں ادنٰے ملازموں وغیرہ کی توجہات خصوصی حاصل کرنے کی غرض سے رشوت پر بہت روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ دیہاتی علاقوں میں تحصیلداروں کو سٹیٹ سبجکٹ سرٹیفکیٹ عطا کرنے کے اختیارات دیئے جائیں اور اگر کسی زراعت پیشہ کو اس سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہو تو متعلقہ کاغذات مال کی ایک مصدقہ نقل ہی سرٹیفکیٹ کے لئے اس زراعت پیشہ کا حق ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھی جائے۔ شہری رقبہ جات میں سرٹیفکیٹوں کے متعلق وہی دستور رہے جو اس وقت رائج ہے۔ یعنی ضرورت مند وزیر بہ وزارت حاکم ضلع سے سرٹیفکیٹ حاصل کریں۔ اس ضابطہ کو ضرورت سے زیادہ نرم بنایا گیا تو ریاستی باشندوں کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

۱۳۔ دھرم ارتھ

محکمہ دھرم ارتھ ایک وقف ہے جو سالہا سال سے بعض مذہبی اور خیراتی اغراض کیلئے قائم ہے۔ درخواست کی گئی ہے کہ دھرم ارتھ کا روپیہ ان اغراض کے سوا جو وقف کے پٹہ میں درج ہیں اور بہت سے کاموں میں صرف کیا جائے۔ لیکن یہ بات قطعًا قابلِ قبول نہیں۔ ہاں جہاں تک قواعد اجازت دیتے ہیں تمام اقوام کو اس محکمہ کی خیراتی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی جائے۔ قدیم دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس محکمہ سے صرف ہندو ہی فائدہ نہیں اٹھاتے رہے بلکہ بعض مسلمانوں کو بھی مقرریاں (یا وظیفہ) دی جاتی رہی ہیں۔ محکمہ دھرم ارتھ کی مالی حالت خوب ترقی کر رہی ہے۔ اس لئے جو روپیہ بچے، اس سے مختلف مقامات پر پینے کے پانی کا بہتر انتظام کیا جائے۔ اپاہج خانے اور آوارہ مویشیوں کی نگہداشت کے لئے گئو شالے قائم کئے جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اگلے وقتوں میں دھرم ارتھ کا محکمہ ان دیہات میں جو اس کے نام پر وقف تھے قریبًا تمام لگان جنس کی صورت میں وصول کرتا تھا۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ چند سالوں سے یہ

رسم بہت حد تک کم ہو گئی ہے۔ زراعت پیشہ جماعتوں کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت مناسب ہے کہ جہاں کہیں ابھی جنس ہی میں لگان وصول کیا جاتا ہو، وہاں جنس کی بجائے نقدی میں وصول کیا جائے۔

کشمیری پنڈتوں نے شکایت کی ہے کہ اگرچہ ہز ہائی نس گورنمنٹ نے احکام صادر کئے ہوئے ہیں کہ سوامی سرسوتی گیر کی رحلت پر چھڑی (مذہبی جھنڈا) جو سوامی امرناتھ جی کی یاترا کے وقت نکالی جاتی ہے، سوامی شنکرنتا نند گیر کو سونپی جائے۔ لیکن ان احکام کی تعمیل نہیں کی گئی۔ اس لئے سفارش کی جاتی ہے کہ اس بارے میں جو احکام جاری کئے گئے ہوئے ہیں ان کی پوری پوری تعمیل کیجائے

۱۴۔ ستھرا شاہی

"ستھرا شاہی" ایک قسم کے ٹیکس کا نام ہے۔ جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں شادی بیاہ کے موقعہ پر سرکاری طور سے لیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی یہ ٹیکس بالکل معدوم نہیں ہوا۔ لیکن اس قسم کے ٹیکس کی وصولی سرکاری طور پر حق بجانب نہیں قرار دی جاتی، جو شکایات اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں وہ مبہم اور غیر مدلل ہیں۔ ممکن ہے کہ آج سے کچھ عرصہ پیشتر نجی طور پر اکثر لوگوں نے یہ کہہ کر روپیہ بٹورنے کی کوشش کی ہو کہ ہمیں ہز ہائی نس گورنمنٹ نے ستھرا شاہی ٹیکس وصول کرنے کا اختیار دیا ہوا ہے۔ اس قسم کی تمام سرگرمیوں کی اطلاع حکامِ ریاست کو دی جائے اور ان کا مؤثر طور پر انسداد کیا جائے۔

۱۵۔ ممنوعہ ایام میں بھیڑ بکریوں کا ذبح کرنا اور گوشت فروخت کرنا

بالخصوص مسلمانوں نے بڑے زور سے شکایت کی ہے کہ بعض دنوں مثلاً اکادشی وغیرہ میں جب کہ ہندو برت رکھتے ہیں، مویشیوں کا ذبح کرنا اور گوشت فروخت کرنا یا فروخت کے لئے اس کی نمائش کرنا ممنوع ہے۔ سال میں اس قسم کے تقریباً ۶۰ دن ہوتے ہیں۔ یورپینوں، بیماروں، آدمیوں اور گوشت خور درندوں کو خاص طور پر اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ان مستثنیات کو دیکھتے ہوئے بظاہر اِنہیں وہ اس قسم کی عام ممانعت کرنا کسی طرح حق بجانب نہیں۔ ہندو قوم کے جذبات کے احترام کے طور پر اتنا ہی کافی ہے کہ حکام ریاست مندروں یا دوسرے مقدس مقامات کے بالکل قریب ذبیحہ حیوانات، گوشت کی فروخت اور اس کی نمائش کی ممانعت کرنے کے اختیارات محفوظ رکھیں۔ یہ بات ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت جو احکام نافذ ہیں۔ ان کی تعمیل ہرگز مناسب اور مؤثر طور سے نہیں کی جاتی۔ سری نگر شہر میں قصابوں کی قریباً ۴۲ دکانیں ہیں۔ جن کو ممنوعہ ایام میں

بھی اپنا کاروبار جاری رکھنے کا خاص لائسنس ملا ہوا ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو جنھیں ممنوعہ ایام میں گوشت خوری کی ممانعت نہیں ہے، گوشت مہیا کر سکیں۔ لیکن یہ دکانیں عملی طور پر جائز حد سے تجاوز کرتی ہیں اور بظاہر اس قسم کا لائسنس صرف اسی کو دیا جاتا ہے جس کی سرپرستی منظور ہو یا جس سے رشوت لی گئی ہو۔

یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ اگر مسلمان عیدالضحیٰ یا دیگر مواقع پر مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں بکریاں یا بھیڑیں ذبح کریں تو ان سے کسی قسم کی فیس نہ لی جائے۔

۱۶۔ پیپل کے درخت

اس مضمون کی ایک معمولی سی شکایت موصول ہوئی ہے کہ تمام اقوام کو پیپل کے درخت یا اس کی شاخیں کاٹنے کی ممانعت ہے۔ کیوں کہ یہ درخت ہندوؤں میں مقدس مانا جاتا ہے۔ لیکن پیپل کا درخت یا اس کی شاخیں کاٹنے کے متعلق جو احکام نافذ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پیپل کے صرف ان ہی درختوں کے کاٹنے کی ممانعت ہے جو پبلک مقامات پر واقع ہیں اور جن کے سایہ سے مسافروں کو آرام ملتا ہے۔ لوگوں کی اپنی زمین یا مکان میں جو پیپل کے درخت ہیں، ان کے کاٹنے کی ممانعت نہیں ہے اور واقعی ایسے مقامات پر پیپل کا درخت کاٹنے کی ممانعت کرنا بالکل نامناسب ہے۔

۱۷۔ چوکیداری ٹیکس

شکایت کی گئی ہے کہ دیہات کے محافظوں یا چوکیداروں کے لئے دیہات پر جو ٹیکس عائد ہے۔ اس میں حال ہی میں بلا ضرورت اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں جو احکامات صادر کئے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کے لئے ۸ آنہ کی بجائے ۱۲ آنہ اور قصبات کیلئے ۱۴ آنہ فی چولا (دیہان) کے حساب سے ٹیکس لیا جاتا ہے۔ ٹیکس میں یہ اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ چوکیداروں کی تنخواہوں اور ان کی وردی کا روز افزوں خرچ پورا کیا جا سکے۔ اس لئے یہ اضافہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔

۱۸۔ تالاب وغیرہ کے متعلق پابندیاں

کہا جاتا ہے کہ اکثر مقامات پر بعض اقوام کو پبلک تالابوں، گھاٹوں اور سبیلوں کے استعمال کی اجازت نہیں ہے اور ان پر خاص خاص اقوام نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ کمیشن نے اس معاملہ کی تحقیقات کی ہے۔ لیکن ابھی مکمل معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ مقامی عہدیداروں کو حکم دیا جائے کہ وہ اس بات

کا خیال رکھیں کہ پبلک تالابوں (یعنی وہ تالاب جن کے متعلق کوئی شخص یا اشخاص یہ ثابت نہ کرسکیں کہ صرف انہیں مذہبی یا دیگر اغراض کے لئے ان کے استعمال کا پورا حق حاصل ہے) کے استعمال میں فرقہ وارانہ تمیز روا نہ رکھی جائے۔

۱۹- عورتوں کی تجارت

یہ نفرت انگیز تجارت کئی سال سے صوبہ جموں کے مختلف حصوں میں جاری ہے۔ اور حکومت اور عوام کے لئے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ان مقامات میں منظم طور پر عورتیں اور لڑکیاں اغوا کرکے ریاست کی حدود سے باہر پہنچا دی جاتی ہیں۔ ہز ہائینس گورنمنٹ ان افسوسناک سرگرمیوں کے انسداد اور ممانعت کے لئے حتی الامکان قانون بنانے، تعزیری کاروائی اور پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے۔۔ درخواست کی گئی ہے کہ پروپیگنڈہ کی توسیع کے لئے زیادہ سے زیادہ رسالے چھاپے اور لیکچر دیئے جائیں۔ اس سلسلہ میں حکومت جو مزید تدابیر اختیار کریگی، تمام اقوام متعلقہ ان کی تائید وحمایت کریں گی۔

۲۰- شادی صغیر سنی کے انسداد کا قانون

ہز ہائینس گورنمنٹ نے حال ہی میں شادی صغیر سنی کے متعلق ایک قانون نافذ کیا ہے۔ بلاشبہ یہ قانون اپنے اہم اصولوں کے لحاظ سے مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے اور عام پبلک نے اس کو بہت پسند کیا ہے۔ بایں ہمہ شکایت کی گئی ہے کہ ریاست کے بعض حصوں میں دیہاتی اور دوسرے لوگوں کو بعض عملی مشکلات میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ بچوں کی عمر کا قطعی ثبوت پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس لئے اکثر بے گناہ والدین کے خلاف گمنام درخواستوں کی بنا پر جھوٹے مقدمے دائر کئے گئے ہیں۔

کمیشن سفارش کرتا ہے کہ ان عملی مشکلات کے تدارک کے لئے حسب ذیل طریق عمل اختیار کیا جائے۔

(الف) جب تک اس کی تردید نہ ہو اس وقت تک سمجھ لینا چاہیے کہ دیہات میں نمبرداروں اور میونسپل رقبہ جات میں محلہ کے افسر نے عمر کے متعلق جو سرٹیفکیٹ دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

(ب) جب تک یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ موجود نہ ہو کہ اس قسم کا جو سرٹیفکیٹ پیش کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ گمنام درخواستوں پر ذرا بھی توجہ نہ کی جائے اور جن کے متعلق یہ گمنام درخواستیں دی گئی ہیں ان کے خلاف ہرگز قانونی کاروائی نہ کی جائے۔ گمنام درخواستوں کے سلسلہ میں جو سفارش کی گئی ہے وہ نہ صرف اسی معاملہ کے متعلق ہے۔ بلکہ وہ دوسرے تمام معاملات اور موقعوں کے لئے بھی ہے۔ اس وقت گمنام درخواستوں پر حد سے زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ جس

کی وجہ سے لوگوں کو ناحق تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔

۲۱ - لداخ میں معاشرتی اصلاحات

درخواست کی گئی ہے کہ لداخ میں ایک قسم کے جَو سے (جسے گرم کہتے ہیں) کسی قدر ہلکی نشہ آور شراب (چھانگ) تیار کی جاتی ہے۔ اس کے استعمال کی ممانعت کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس بات کا شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اگر حکومت نے چھانگ کے استعمال کے خلاف کوئی کارروائی کی تو عام پبلک اس کی خاطر خواہ تائید نہیں کرے گی۔ سرکاری کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند سال گذرے حکام نے چھانگ نوشی کے انسداد کے لئے کارروائی کی۔ لیکن اسے بڑی طرح ترک اٹھانا پڑی۔ جو لوگ چھانگ نوشی کے عادی ہیں وہ کہتے ہیں کہ لداخ کی آب وہوا بہت سرد ہے۔ اس لئے یہاں ہلکی نشہ آور شراب کا استعمال علیش میں داخل نہیں بلکہ یہ بہت بڑی ضرورت ہے۔ یہ دلیل معقول معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کمیشن اس معاملہ میں کوئی سفارش نہیں کرتا۔

یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ لداخ میں اس وقت ایک سے زیادہ شوہر یا بیویاں کرنیکی رسم پائی جاتی ہے۔ اس کی قانوناً ممانعت کی جائے۔ لیکن بظاہر عام لوگ اس تجویز کے خلاف ہیں۔۔۔ کمیشن کا بھی خیال ہے کہ ابھی اس رسم کے خلاف قانون بنانیکا وقت نہیں آیا۔ اس رسم میں سرکاری طور پر اس وقت تک مداخلت نہ کی جائے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ لداخ کے عام لوگ اس مداخلت کو پسند کریں گے۔

۲۲ - چھوٹے تاجر

سری نگر میں جو پھیری والے اپنا کاروبار کرتے ہیں انہوں نے شکایت کی ہے کہ ہمیں چونگی کے معاملہ میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب ہم اپنا مال میونسپل حدود سے باہر لے جاتے یا واپس لاتے ہیں تو ہماری چیزوں کا چونگی خانہ میں معائنہ کیا جاتا ہے۔ جس سے ہمارا بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اور اگر جلدی معائنہ کرانا ہو تو بہت زیادہ خرچ آتا ہے۔ (یعنی بہت رشوت دینا پڑتی ہے۔) یہ سفارش کرنا تو مشکل ہے کہ مال کا معائنہ کرنے کا سلسلہ قطعی طور پر بند کر دیا جائے۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ پھیری والے واپس آتے ہوئے شہر سے باہر نیا مال خرید کر پہلے مال میں ملائیں گے۔ اور اس طرح چونگی کا محصول ادا کرنے سے پہلو تہی کریں گے۔

پھیری والے یہ بھی شکایت کرتے ہیں کہ ہم پہلے لائسنسوں کے لئے جو فیس ادا کرتے تھے وہ حال ہی میں حد سے زیادہ بڑھادی گئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ لائسنس کی فیس اڑھائی روپیہ سے تین[۳۰] روپیہ

تک بڑھائی گئی ہے بلکہ تیس روپے فیس ادا کرنے کے بعد بھی پھیری والا ایک ہی قسم کا مال فروخت کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اور اگر وہ کوئی اور مال بیچنا چاہے تو اس سے ہر مال کے لئے مزید تیس روپے فیس لی جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ موجودہ کساد بازاری کو مدِنظر رکھتے ہوئے پھیری والوں سے ہر قسم کا مال فروخت کرنے کے لئے صرف تیس روپیہ فیس لی جائے۔ وہی فرم لائسنس لے جس نے پھیری والا یا خوانچہ فروش ملازم رکھا ہو۔ ضروری نہیں کہ لائسنس خود خوانچہ فروش کے نام کا ہو۔ البتہ پھیری والا اپنی فرم کا دیا ہوا ایک سرٹیفکیٹ اپنے پاس رکھے جس میں لکھا ہو کہ فرم نے پھیری والے کو مال فروخت کرنے کا اختیار دیا ہوا ہے۔

۲۳- ہانجی

جو ہانجی سری نگر میں ہاؤس بوٹ کرایہ پر دے کر گزر اوقات کرتے ہیں وہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو بہت زیادہ بوٹ ٹیکس اور گھاٹ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اب بوٹ ٹیکس بوٹ کے درجہ کی بجائے اس کی لمبائی کے لحاظ سے لیا جاتا ہے۔ ان ٹیکسوں کا بار ان لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو بوٹ کرایہ پر لیتے ہیں۔ اس لئے ان ٹیکسوں میں تخفیف کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ لمبائی کے لحاظ سے ہاؤس بوٹوں کی درجہ بندی کے لئے جو دوسرا طریقہ تجویز کیا گیا ہے وہ اتنا سخت نہیں، تاہم سفارش کی جاتی ہے کہ حسبِ ذیل تجاویز کے مطابق مناسب کارروائی کیجائے۔

۱- اگر بوٹ تمام سال خالی پڑے رہیں یعنی ان کو کرایہ پر نہ دیا گیا ہو تو انہیں ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۲- جو بوٹ ہانجی اپنی رہائش کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کو بھی ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

۳- خالی ہاؤس بوٹوں کو میونسپل حدود کے اندر گھاٹ سے باندھنے کی اجازت دی جائے اور اس کے لئے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔

۴- دونوں ٹیکس دو محکموں (میونسپلٹی اور ہائیڈرالک) کے بجائے ایک محکمہ کے ذریعہ وصول کئے جائیں۔

۵- اگر کسی بوٹ میں بجلی نہ لگی ہو تو محکمہ بجلی، بجلی کی فیس نہ لے۔

۶- ہانجی میونسپلٹی کو ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو میونسپل انتخابات میں ووٹ دینے کا حق عطا کیا جائے۔

۷- جس قانون میں ہاؤس بوٹوں کے لئے زیادہ سے زیادہ کرایہ مقرر کیا گیا ہے وہ غیر ضروری

ہے۔ اس لئے وہ منسوخ کر دیا جائے۔

جن ہانجیوں کا ہاؤس بوٹوں سے تعلق ہے انہوں نے شکایت کی ہے کہ کشمیر کے سیاحوں کے راستہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ جس سے ہماری تجارت پر ناگوار اثر پڑتا ہے۔ وہ مثال کے طور پر اس ٹیکس کا ذکر کرتے ہیں جو حال ہی میں میونسپل حدود کے باہر سیاحوں کے خیموں پر لگایا گیا ہے۔ کمیشن کی رائے میں اس قسم کے ٹیکس کی بندش پر غور کیا جانا چاہیے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت کو اس ٹیکس سے کچھ زیادہ آمدن نہیں ہوتی۔ کشمیر آنے والے سیاح کشمیر میں کثیر دولت صرف کر جاتے ہیں اور کشمیر کی اکثر اقوام کی روزی کا انحصار بہت حد تک ان سیاحوں کی آمد ہی پر ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ سیاحوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۴۲۔ لاری کے مالک اور کرایہ کی موٹروں کے مالک

لاری کے مالکوں اور کرایہ کی موٹروں کے مالکوں نے شکایت کی ہے کہ چند سال سے روڈ ٹول (سڑک کا ٹیکس) بہت بڑھا دیا گیا ہے۔ اس ٹیکس کا بار مسافر یا کرایہ دار پر پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ ٹیکس بہت زیادہ ہے۔ تاہم بظاہر اس سے آمد ورفت میں کمی نہیں ہوئی۔ اس ٹیکس سے حکومت کو بہت زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اور اس وقت ریاست کی مالی حالت کمزور ہے۔ اس لئے اس ٹیکس میں تخفیف کی کوئی سفارش نہیں کی جا سکتی۔

لیکن روڈ ٹول کا ایک معاملہ ایسا ہے۔ جس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے موجودہ ضابطہ میں ترمیم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مظفرآباد اور جن دوسرے اضلاع میں روڈ ٹول کے چیک بنے ہوئے ہیں، وہاں کے باشندے شکایت کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ سمجھا گیا ہے۔ لیکن ہمارے لئے کسی افسرِ مال سے ٹیکس کی معافی کا سرٹیفکیٹ لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے حصول کے لئے طویل سفر اور بہت بڑی مصیبت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ ایسے حالات میں دیہات کے نمبردار سرٹیفکیٹ عطا کیا کریں۔ اگر ثابت ہو کہ بعض اشخاص نے اس رعایت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تو ان سے یہ رعایت چھین لی جائے۔ اور ان کو سزا دی جائے۔

لاری کے مالک میونسپل ٹیکسوں کا بھی شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن بظاہر یہ ٹیکس کچھ زیادہ نہیں۔ اور ان سے میونسپلٹی کو بہت آمدن ہوتی ہے۔ پولیس نے کرایہ کی موٹروں اور لاریوں کا معائنہ کرنے کے لئے جو قواعد و ضوابط مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف بھی شکایت کی گئی ہے۔

معمولی طور پر وقتاً فوقتاً موٹروں اور لاریوں کے معائنے کے متعلق جو قواعد مقرر ہیں، ان میں بظاہر ترمیم کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس قدر سفارش کی جاتی ہے کہ اگر لاریوں یا موٹروں میں، کوئی معمولی نقص پیدا ہو جائے تو ان کا دوبارہ معائنہ کرنے پر اصرار نہ کیا جائے۔ اتنی تنبیہہ ہی کافی ہے کہ اگلے باقاعدہ معائنہ سے پیشتر تمام نقائص رفع کر دیئے جائیں۔

لاریوں اور موٹروں وغیرہ کے مالکوں نے اس امر کے خلاف سختی سے احتجاج کیا ہے کہ حکومت نے شالامار باغ اور نشاط باغ کے داخلہ پر فیس مقرر کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان فیسوں کا یہ اثر ہوا ہے کہ لوگ باغات کی سیر کرنے نہیں جاتے اور اس کی وجہ سے ہماری تجارت کو، بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ٹیکس نہ صرف کرایہ پر کشتی اور موٹر چلانے والوں ہی میں غیر ہر دلعزیز ہے۔ بلکہ عام پبلک نے بھی اس کو ناپسند کیا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر، نشاط باغ اور شالامار باغ اہلِ سری نگر کا مرجع بنا ہوا تھا۔ اور غریب و امیر سب یکساں وہاں جاتے تھے۔ لیکن اب یہی باغات بالکل سونا پڑے ہیں۔ باغات کے ٹکٹوں سے حکومت کو نہایت کم آمدنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو ایک صحت بخش مقام سے، جہاں وہ تفریح کرتے ہیں فائدہ حاصل کرنے سے باز رکھا جائے۔

باب ہفتم

حاصل کلام

کمیشن رپورٹ کی طوالت کے لئے معذرت خواہ ہے۔ بہت سی عرضداشتیں اور... شکائیتیں نہایت اہم تھیں۔ ان کی کثرتِ تعداد کو دیکھتے ہوئے رپورٹ کو اور زیادہ مختصر کرنا ناممکن تھا یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جس قدر عرضداشتیں موصول ہوئی ہیں ان سب کا رجحان یہ ہے کہ ایک طرف تو ریاست اپنا خرچ بڑھا دے اور دوسری طرف اپنی آمدنی گھٹا دے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ریاست بعض محکموں میں تخفیف کر کے بچا ہوا روپیہ اور کاموں میں خرچ کر سکتی ہے۔ لیکن یہ بات جاننا ضروری ہے کہ بعض وجوہ سے جن پر ہز ہائی نس گورنمنٹ کو اختیار نہ تھا، ریاست کی آمدنی بہت گھٹ گئی ہے۔ اور موجودہ حالات کے پیشِ نظر ابھی اس میں مزید کمی ہو گی۔ مثال کے طور پر محکمہ جنگلات کو لیجئے۔ اس محکمہ سے ریاست کو سب سے زیادہ آمدنی ہوتی تھی لیکن اب لکڑی کی

تجارت میں شدید اختلاط پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کو بہت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ جس سے اس محکمہ کی آمدنی پہلے سے نصف رہ جائے گی۔ کمیشن نے آمدن اور خرچ کے متعلق اپنی سفارشات تیار کرتے ہوئے یہ بات پیش نگاہ رکھنے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت ریاست نہایت افسوسناک مالی مشکلات میں مبتلا ہے۔ اور ریاست کے خزانہ کو ان تمام سفارشات اور تبدیلیوں (اصلاحات) پر جن کی سفارش کی گئی ہے عمل پیرا ہونے میں بہت خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

مختلف معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ اس لئے پیش کردہ تجاویز اور اخذ کردہ نتائج کا ایک سیر حاصل خلاصہ پیش کرنے کی کوشش محالات بلکہ ناممکنات سے ہے۔ لیکن کمیشن نے جس قدر اہم اہم سفارشیں کی ہیں، ان میں سے حسب ذیل سفارشات کی طرف خاص توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔

۱۔ ہز ہائی نس گورنمنٹ کی پالیسی ہے کہ ہر جماعت اور قوم کامل مذہبی آزادی سے متمتع ہو۔ اس لئے اس کی تعمیل میں ہر لحاظ سے حتی المقدور احتیاط سے کام لیا جائے۔

جن مذہبی عمارات کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں سے اہم مقامات کا معاملہ، ہز ہائینس گورنمنٹ کے روبرو پیش کیا گیا اور ان کی واپسی عمل میں لائی جا چکی ہے۔ دیگر مقامات کے متعلق ہز ہائی نس کے اعلان میں جو احکام درج تھے، ان پر مفصل معلومات حاصل ہوتے ہی عمل کیا جائے۔

تبدیل مذہب کے بعد ترکہ پانے کے متعلق جو قانون ہے اس کے سلسلہ میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔

۲۔ مجوزہ طریقہ سے تعلیمی توسیع کا کام بڑی محنت سے شروع کر دیا جائے۔ بالخصوص پرائمری مدارس کی توسیع کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مسلمان اساتذہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ مسلمانوں کی تعلیم کی نگرانی اور ترقی کے لئے ایک خاص افسر کے تقرر کا معاملہ بھی اہم ہے۔

۳۔ ریاست کی تمام خالی اسامیوں کی مناسب طور پر تشہیر کی جائے۔ اور اس رپورٹ میں تشہیر کے جو طریقے بتائے گئے ہیں ان کے مطابق اس بات کا خیال رکھنے کی ہر عملی تدابیر اختیار کی جائیں کہ تمام اقوام کو سرکاری ملازمتوں میں جائز حصہ ملتا رہے۔ مقامی ملازمتوں کے بارے میں سفارش کی گئی ہے کہ ضلع متعلقہ کے باشندوں ہی کو حتی الامکان بھرتی کیا جائے۔

۴۔ ریاست کو جو مالکانہ ادا کیا جاتا ہے وہ معاف کر دیا جائے۔

کمیشن کے خیال میں وقت آ گیا ہے کہ ان تمام زمینوں کے حقوق ملکیت جن کی مالک تو ریاست ہے اور حقوق استعمال عوام کو حاصل ہیں، زمینداروں کو عطا کر دیئے جائیں۔ رپورٹ میں جو تحفظات بالعموم بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں ان کو شرط قرار دیکر اگر یہ رعایت عطا کی گئی تو کمیشن کی رائے ہیں، اس سے زراعت پیشہ جماعتوں کی عام حالت میں اصلاح ہو جائے گی۔ حقوق ملکیت کے عطیہ کو بہت پسند کیا جائے گا اور اس سے لوگوں میں بیش از بیش اطمینان اور وفاداری میں استحکام پیدا ہوگا۔

۵۔ خاص خاص رقبہ جات میں کاہچرائی فی الفور معطل کر دی جائے۔ اور کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے ریاست کے دوسرے حصوں میں کاہچرائی کا ٹیکس بھاری بوجھ نہ معلوم ہو۔

۶۔ نوتوڑ کی جس بقایا رقم کی وصولی تحصیل میرپور میں ملتوی کی گئی ہے وہ بالکل معاف کر دی جائے۔

۷۔ اس امر کی ہر ممکن احتیاط رکھی جائے کہ جو مراعات غیر زراعت پیشہ جماعتوں کو دی جائیں۔ ان سے کسی لحاظ سے زراعت پیشہ لوگوں کے موجودہ حقوق کو نقصان نہ پہنچے۔ ہز ہائی نس کے راج تلک (گدی نشینی) کے موقعہ پر زراعت پیشہ لوگوں کو جو مراعات عطا کی گئی تھیں ان سے ان لوگوں کو پورا پورا مستفید ہونے دیا جائے۔

۸۔ تمام ناجائز قسم کے جلب زر (یعنی رشوت وغیرہ) کا خاتمہ کرنے کے لئے زبردست کوشش کی جائے۔ اکثر معاملات میں اختیارات مرکز کی بجائے ماتحت افسروں کو سونپنا مناسب ہے۔ تاکہ وزراء اور محکموں کے اعلیٰ حکام کو اپنے ماتحت افسروں کی مؤثر طور پر نگرانی کرنے کے لئے وقت مل سکے۔

۹۔ ہز ہائی نس نے کار سرکار (سرکاری اغراض کے لئے جبری مزدوری) کے متعلق جو احکام صادر فرمائے ہوئے ہیں، ان پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ اور مزدوروں کو ان کی خدمات کا جائز صلہ دیا جائے۔

۱۰۔ مجوزہ طریقوں کے مطابق ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ دیہاتیوں اور دیگر اشخاص کو بالخصوص سوختنی اور عمارتی لکڑی کے متعلق محکمہ جنگلات سے جو مراعات حاصل ہیں، ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۱۱۔ ریاستی حکام صنعت و حرفت کی ترقی کا بھی خاص خیال رکھیں۔ بظاہر پھل اور کپڑے کی

صنعتیں (جن پر حال ہی میں ہز ہائینس گورنمنٹ نے توجہ مبذول کی ہے) ترقی کے فائدہ بخش میدان معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت صنعتی ترقی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ بیکاروں کے لئے ذریعہ معاش پیدا کرنا نہایت مناسب اور ضروری ہے۔

خاص خاص محکموں کے متعلق جو مفصل شکایات یا دستاویزات کمیشن کو موصول ہوئی ہیں وہ وزیر اعظم کو بھیج دی جائیں گی۔ تاکہ وہ متعلقہ محکموں کے انچارج وزراء میں تقسیم فرما دیں۔ جو امیدوار ملازمت کے قابل ہیں ان کے ناموں کی فہرست بھی وزیر اعظم کو بھیج دی جائے گی۔ بلاشبہ ان تمام کاغذات پر بڑی احتیاط سے غور کیا جائے گا۔

کمیشن ان تمام وزراء اور افسروں کا جنھوں نے از راہ عنایت معلومات بہم پہنچائیں شکریہ ادا کرتا ہے اور کمیشن کے سیکریٹری لالہ چرن جیت لال اور باقی عملہ نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کی بہت تعریف کرتا ہے۔ ان کو اکثر اوقات معمول سے زیادہ دیر تک کام کرنا پڑا۔ اور انہوں نے اپنے فرائض ہمیشہ وفاداری اور قابلیت سے سرانجام دیئے۔

(دستخط) بی جے گلینسی

جموں 〃 پی این بنزاز

۲۲ ؍ مارچ ۱۹۳۲ء 〃 جی اے اشائی

〃 غلام عباس

اختلافی نوٹ

(الف) مسٹر جی اے انصاری و مسٹر غلام عباس	۱۔ قانونِ وراثت
	۲۔ راجپوت ٹریننگ سکول
	۳۔ اسلحہ جات لائسنس
(ب) پنڈت پریم ناتھ بزاز	عید گاہ کا میدان
(ج)	تمہیدی بیان
	۱ سول سروس میں بھرتی
	۲۔ فوجی ملازمت
	۳۔ پبلک سروس کمیشن
	۴۔ مالکانہ
	۵۔ مالیہ اراضی

مسٹر غلام عباس

مسٹر جی اے اشائی اور مسٹر غلام عباس کا متحدہ

اختلافی نوٹ

ریاست کے قانونِ وراثت کے ماتحت نومسلموں پر جو دنیوی پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان کی تنسیخ

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ اسلامی و ہندو قوانینِ مذہبی میں ایک مرتد یعنی مذہب تبدیل کرنے والے کو آبائی جائیداد کے حصہ سے قطعاً محروم کیا گیا ہے۔ ہم رپورٹ کے اس فیصلہ سے متفق نہیں ہیں۔ کہ امر تنقیح طلب یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی یہ شکایت جائز ہے کہ ریاست کا قانون متعلق نتائج ارتداد ہندو دھرم اور اسلام کے قوانین مذہبی پر کیوں مبنی ہے ۔ اگر مسلمان سے اس کے اپنے مذہب کے مطابق سلوک کیا جائے تو اسے ذرا بھی گلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ معاملہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ فی الحقیقت امر متنازعہ تو یہ ہے کہ:

> "کیا کوئی حکومت مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دیگر احکام کو پسِ پشت ڈال کر اپنے کسی خاص مذہبی قانون پر عمل پیرا ہوں"۔

اگر ریاست کے قوانین کا انحصار اسلامی اصولوں پر ہوتا تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی مسلمان بہ حیثیت مسلمان ان کے خلاف اعتراض کرتا کہ اگر چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا، اگر زانی کو زنا کی پاداش میں سنگسار کر دیا جاتا۔ اگر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جاتا۔ اگر کسی کے خلاف غلط الزام اور اتہام لگانے والے کو اسی کوڑے لگائے جاتے، وراثت کے متعلق قانونِ اسلامی کی کماحقہ تعمیل کی جاتی تو کم از کم ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو تبدیل مذہب پر آبائی جائیداد کی ضبطی کے خلاف کبھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن ایک مسلمان کو کسی خاص معاملہ میں اسلام کی پیروی کرنے اور دوسرے معاملات میں اسلام کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرنا یقیناً خلافِ انصاف ہے۔ وراثت

کے معاملہ میں بھی مسلمانانِ ریاست کو شرعی احکام کی پیروی کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی قانون کے مطابق کسی شخص سے وہ جائیداد نہیں چھینی جا سکتی جس کے ترکہ کا اسے حق حاصل ہے۔ یا جو اس نے ترکہ میں حاصل کی ہے۔ لہٰذا جو ہندو اسلام قبول کرے اس سے وہ جاری جائیداد نہیں چھینی جانی چاہیے جو اسے ترکہ میں ملی ہے یا جس کے ترکہ کا اسے حق حاصل ہے۔ اس وقت ریاست میں اس اسلامی قانون کے یہ معنی نہیں لئے جاتے اور نہ ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی قوانین کے مطابق سلوک کئے جانے کے خلاف کوئی جائز شکایت نہیں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر ایک ہندو ریاست ہے اور ہندو ریاست ہونے کی حیثیت سے اسے ان باتوں کی اجازت نہیں دینی چاہیے جن کی ہندو دھرم اجازت نہیں دیتا ہے۔ ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر تبدیلِ مذہب کے متعلق ہندو شاستر کو نافذ کیا جائے تو مسلمانوں کو قطعاً اعتراض نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ ہندو دھرم ترک کرنیوالا آبائی جائیداد میں حصہ لینے کے حق سے محروم ہو جائے۔ لیکن یاد رہے کہ ہندو قانون اس سلسلہ میں دو رعائتیں کرتا ہے جو یہ ہیں:-

ا۔ ہندو قانون کا اصول یہ ہے کہ جب ایک دفعہ کسی کو جائیداد دے دی جائے تو مابعد کے کسی واقعہ کی بنا پر وہ واپس نہیں لی جا سکتی۔ اس لئے اگرچہ بیوی اپنی بے وفائی (یا بے عفتی) کی وجہ سے ترکہ کی نااہل قرار دی جا سکتی ہے۔ لیکن جس بیوہ عورت کو اپنے خاوند کی وفات پر جائیداد ملی ہو اس سے وہ جائیداد مابعد کی بے وفائی (بے عفتی) کی بنا پر واپس نہیں لی جا سکتی۔ اسی وجہ کی بنا پر تبدیلِ مذہب کرنے والے جانشین سے اس کی جائیداد نہیں چھینی جا سکتی۔ البتہ تبدیلِ مذہب جائیداد کے حصول کی راہ میں روڑا اٹکا سکتا ہے۔

(ہندو کوڈ مصنف ہری سنگھ گوڑ، مطبوعہ ۱۹۲۹ء پیراگراف ۲۶، ۲۵ ۔ صفحہ ۲۷۲)

متکشرا (MITAKSHARA) ہندو دھرم کے تمام فرقوں میں بلند پایہ و مستند سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس قانون کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

ان کو (یعنی نااہل لوگوں کو) وراثت کے حصے سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ جائیداد کی تقسیم سے پیشتر نااہل سمجھے گئے ہوں۔ لیکن جس شخص کا حصہ ایک بار علیحدہ کر دیا گیا ہو، اس سے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ (باب ۲، حصہ ۱۰)

۲۔ اگر کسی بیٹے یا دوسرے جانشین کو نااہلیت کی وجہ سے ترکہ سے محروم کیا گیا ہو تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس جائیداد سے جو نااہل قرار نہ دیئے جانے کی صورت میں اسے ترکہ میں ملتی، اپنے خاندان کی اور اپنی پرورش کرے۔

نہ صرف مندرجہ ذیل قانون نااہل جانشین اور اس کے خاندان کی (جدی جائیداد سے) پرورش پانے کا حق واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ بلکہ علاالتیں بھی انصاف کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس حق کو حق بجانب قرار دیتیں:

منو۔ ۲۰۱: ہیجڑے اور مرتد، مادر زاد اندھے اور بہرے، دیوانے، پاگل، گونگے اور وہ لوگ جن کا کوئی عضو بیکار ہو گیا ہے۔ ترکہ میں حصہ لینے سے محروم کیئے گئے ہیں۔"

"۲۰۲۔ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جو جانشین اپنا فرض پہچانتا ہے وہ ان سب کو کسی عذر لنگ کے بغیر اپنی وسعت کے مطابق کھانا دے اور ان کی ضروریات زندگی مہیا کرے۔ جو شخص ان لوگوں کو کچھ نہیں دیتا وہ یقیناً مستوجب سزا ہے۔ اس قانون میں تو نااہل قرار دیئے ہوئے اشخاص کی پرورش ہی کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے خاندان کو نہ صرف اس سے پرورش کے اخراجات وصول کرنے کا حق ہے بلکہ اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ اس جائیداد سے بھی پرورش کے اخراجات لے جس سے شخص مذکور کو ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے محروم کیا گیا ہے۔ شخص مذکور کی نااہلیت سے اس کے خاندان کی پرورش کا ابتدائی حق زائل نہیں ہو سکتا۔

(ہندو کوڈ مصنفہ سر ہری سنگھ گوڑ، مطبوعہ ۱۹۲۹ء حصہ ۱۹، صفحہ ۵۵۵۔)

ریاست میں ہندو قانون وراثت نافذ کرنے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ جن اشخاص کے خلاف یہ قانون ہے، ان کو مذکورہ بالا دونوں رعائتیں دی جائیں۔ اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہندو دھرم ترک کر دینے والوں اور دیگر اشخاص سے بھی جنہیں ترکہ کا نااہل قرار دیا گیا ہے، اسی طریقہ کے مطابق سلوک کیا جائے۔ نامردوں، اندھوں، گونگے، بہروں، پاگلوں اور دیوانوں کو بھی منو (۲۰۰-۱۹۹) کے مطابق ترکہ کا نااہل قرار دیا گیا ہے۔ بقول متکشرا (MITAKSHARA) جو شخص کسی گناؤنے جرم کا مرتکب ہو وہ بھی ادھری ہے۔ منشیات نوشی اور سمندر پار کا سفر بھی ہندو دھرم کے مطابق گھناؤنے افعال ہیں۔ اس لئے ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی ترکے سے محروم کر دیا جائے۔

پس ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست میں ترکہ کے معاملہ میں نہ ہندو دھرم کی پیروی کی جاتی ہے اور نہ اسلامی قانون کی۔

رپورٹ میں جو یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "کم از کم یہ امر مشکوک ضرور ہے کہ کیا اس قسم کا قانون آج بھی کتاب آئین میں داخل کیا جا سکتا ہے یا نہیں" ہم ان سے متفق نہیں ہیں۔ رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ذات پات کی پابندیاں دور کرنے کے لئے برطانوی ہند میں جو ۱۸۵۱ء کا قانون نافذ ہے اس کے طرز پر بہت سی ریاستوں نے اپنے علاقوں میں قانون مرتب اور نافذ کئے ہیں۔ علاوہ بریں ۲۵ فروری ۱۹۳۲ء کو دہلی میں گول میز کانفرنس کی مشاورتی کمیٹی کا جو اجلاس حضور وائسرائے ہند کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا اس میں بھی برطانوی ہند کے اس قانون کے بنیادی اصولوں کو، باضابطہ طور پر اور متفقہ رائے سے تسلیم کیا گیا تھا۔ کمیٹی نے قرار دیا کہ محض تبدیل مذہب کی بنا پر کسی شخص کو شہری حقوق سے محروم نہ کیا جانا چاہیے۔ اور نہ اس کو کوئی سزا دینا چاہیے"

(سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۳۲ء)

رپورٹ میں بیان کیا گیا کہ ترک مذہب کے متعلق اسلامی قانون میں ترمیم کرنے کا جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ اسلامی قانون وراثت کے مطالبہ نفاذ کے منافی ہے، ہیں فی الاصل ان دونوں مطالبات میں ذرا بھی تضاد یا تخالف نہیں پایا جاتا۔ قانون وراثت کا تعلق تو ایک ہی مذہب کے پیرو اشخاص سے ہے۔ اور ترک مذہب کے قانون کا تعلق، غیر مذہب کے لوگوں سے ہے۔ اور یہ قانون صرف اسی صورت میں نفاذ پذیر ہو سکتا ہے کہ حکومت کا دار و مدار کسی خاص مذہب کے اصولوں پر ہو۔ رپورٹ میں اور بھی ایسی ہی متضاد باتیں درج ہیں۔ مثلاً رپورٹ میں جہاں تبدیل مذہب کے متعلق اسلامی قانون سے فائدہ اٹھایا گیا ہے وہاں شادی صغیر سنی کے ریاستی قانون کو حق بجانب قرار دیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رپورٹ میں جاگیرداروں میں سب سے بڑے لڑکے کے حق جانشینی کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہندوؤں کے متحدہ خاندان کا نظام اسلامی قانون وراثت سے مختلف ہے۔ لیکن یہ فرق صرف اس شخص کی زندگی تک ہی محدود ہے۔ جس سے وارث جانشین کو جائیداد ورثہ میں ملا ہو۔ اس کی موت کے بعد یہ فرق بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور پھر ہندو ترکہ حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرح جائیداد کا مالک بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس شخص نے جو حصہ وراثت اپنے بزرگ کی موت پر حاصل کیا ہو اس کا چھیننا قانون اور اصول وراثت دونوں کے خلاف ہے"

Scanned by CamScanner

ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ اس عقدہ کا واحد حل ۱۸۵۰ء کا وہ قانون ہے، جو ذات پات کی پابندیاں دور کرنے کے لئے منظور کیا گیا تھا۔ جس ملک کے باشندے متضاد اور مختلف مذاہب کے پیرو ہیں اور جہاں اختلاف مذہب کی وجہ سے کسی خاص قوم کے مذہبی قوانین نافذ نہیں کئے جا سکتے وہاں ان مذاہب کے قوانین کی رو سے کسی شخص کو ایسی جائیداد سے محروم کرنا خلافِ عقل ہے جس کا وہ ان قوانین کے عدم نفاذ کی صورت میں حاصل کرنے کا حق دار تھا۔ ہندو بھی اس قانون کے نفاذ کے خلاف اعتراض نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ برطانوی ہند میں ان کے کروڑہا بھائی اس سے بالکل مطمئن ہیں۔

اسلحہ جات کے لائسنس

صوبہ کشمیر اور سرحدی میں کوئی شخص لائسنس کے بغیر اسلحہ جات قبضہ میں نہیں رکھ سکتا لیکن صوبہ جموں میں اس قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ حال ہی میں عارضی طور پر جموں شہر اور اس کے اردگرد کے دیہات میں، جو شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں اسلحہ جات لائسنس کے بغیر رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ صوبہ کشمیر اور سرحدی اضلاع سے امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ ان حصص ریاست میں اب اسلحہ فروشی نہیں ہوتی۔

راجپوت ٹریننگ سکول

چونکہ اس وقت جموں کا راجپوت ٹریننگ سکول ایک خاص قوم کے لئے وقف ہے اس لئے اس سے دوسری اقوام کے سینوں میں ہمیشہ آتشِ غیض وغضب فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ امتیازی سلوک برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ ہز ہائی نس گورنمنٹ براہ کرم یا تو موجودہ ٹریننگ سکول کو سب اقوام کے لئے کھول دے یا بصورتِ دیگر ہز ہائی نس کے جنگجو طبقہ رعایا کے لئے ایک اور ٹریننگ سکول جاری کر دے۔

(دستخط) جی۔ اے۔ اشائی

(دستخط) غلام عباس۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز کا اختلافی نوٹ

عید گاہ کا میدان

مجھے افسوس ہے کہ میرے رفقاء نے عید گاہ کے متعلق جو سفارش کی ہے، میں اس سے متفق نہیں ہو سکتا۔ (کیونکہ) کمیشن نے ہری پربت اور شنکر اچارج کے متعلق ہندوؤں کا مطالبہ مسترد کرنے میں، ذرا بھی پس وپیش نہیں کیا۔ ہندوؤں نے ان دونوں مقامات (شنکر اچارج اور ہری پربت) کا بلا شرکت غیرے قبضہ حاصل کرنے اور ان کی واپسی کے لئے دلائل پیش کئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس، یہ ثابت نہیں ہوا کہ مسلمانوں کو کبھی عید گاہ پر اس سے زیادہ حق حاصل تھا۔ جو ان کو اب حاصل ہے۔۔۔ سفارش یہ ہے کہ عید گاہ مسلمانوں کے حوالے کر دی جائے۔ جس کے معنی یہ نہیں کہ یہ چیز مسلمانوں کو واپس دی جا رہی ہے جو اس کے مالک تھے۔ مسلمانوں نے اپنے دعوے کی تائید میں اور میرے رفقاء نے اپنی سفارش کے جواز میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

عید گاہ کبھی بھی کلیتاً مسلمانوں کے استعمال میں نہیں رہی۔ بلکہ ہر سال صرف ۳ ایام روز نماز با جماعت کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ مسلمانوں کو سال کے باقی ۳۶۰ ایام میں قبضہ تو ایک طرف استعمال کا خاص حق حاصل نہیں تھا۔ یہ رقبہ ایک کھلا میدان ہے۔ ½ میل لمبا اور ½ میل چوڑا، اور یہ سری نگر لیہہ روڈ اسے ٹریٹی روڈ بھی کہتے ہیں، علم صاحب، وانگن پورہ روڈ، نواکول وانگن پورہ روڈ اور رشی دھار گاندر پورہ روڈ کا مقام اتصال ہے۔ یہ تمام سڑکیں اسی میدان میں مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میدان کے عین وسط میں بدھوں کی ایک یادگار (بت) ہے۔

چوتھے پل کے نیچے جس قدر باشندے رہتے ہیں وہ سب اپنے مویشی یہیں چراتے ہیں۔ اور ہر روز ہزار ہا مویشی یہاں گھاس چرتے ہیں۔ یہ سری نگر کے معتد بہ حصہ کی تفریح گاہ ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر حال ہی میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس میں نئے چنار لگائے ہیں۔ عید گاہ کے علاقہ کے بعض مشہور ہندو خاندان زمانہ قدیم سے اسی میدان میں اپنے لڑکوں کی رسم تنسور (TONSURE) ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

چونکہ خاص شہر میں کوئی کھلا میدان نہیں، اس لئے سرکاری سکولوں اور مشن اور اسلامیہ سکولوں کے لڑکے اس میدان سے بازی گاہ کا کام لیتے ہیں۔ ہر روز یہاں صدہا لڑکے فٹ بال، کرکٹ وغیرہ کھیلتے

نظر آتے ہیں۔

عید گاہ سے باہر بہت سے غیر سرکاری باغ ہیں۔ جن تک اس میدان (عیدگاہ) کے راستہ پہنچ سکتے ہیں۔ میدان میں ایک طرف بلتیوں کی ایک سرائے ہے اور ان کے باربرداری کے صدہا ٹٹو گرمی کے مہینوں میں یہاں گھاس چرتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں اس مسجد کے استعمال کا حق دیا جائے۔ جو میدان کے شمالی گوشے میں واقع ہے تو یہ منظور کیا جاسکتا ہے اور اس کے احاطہ کے لئے کافی جگہ چھوڑی جاسکتی ہے۔ لیکن مشرقی جانب احاطہ لیہ روڈ سے آگے نز بڑھنے پائے۔

میں اپنے رفقاء سے انصاف کرتے ہوئے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس توقع سے میدان مسلمانوں کے حوالے کرنے کی کوشش کی ہے کہ باشندگانِ سری نگر جن میں ہندو بھی شامل ہیں، اس کے استعمال کے حق سے بدستور مستفید ہوتے رہیں گے۔ لیکن میرا اعتراض تو اس حوالگی اور اس کے تمام عواقب پر ہے۔ اہلِ سری نگر کو میدان سے گزرگاہ، تفریح گاہ، چراگاہ وغیرہ کا کام لینے کے جو حقوق حاصل ہیں ان کی نوعیت وہی ہے جو شاملاتِ دیہہ کی ہوتی ہے۔ عیدگاہ پر مسلمانوں کو اس سے کم یا زیادہ حق حاصل نہیں جو کسی گاؤں کے ہندو باشندوں کو شاملاتِ دیہہ میں ہر سال دو یا تین بار خاص تہوار منانے کے متعلق حاصل ہے۔ میدان پر کوئی فرد یا جماعت افراد بلا شرکتِ غیرے حق نہیں جتا سکتی۔

آخر میں یہ بات رکھی جائے کہ یہ معاملہ صرف مسلمانوں اور حکومت کا معاملہ نہیں۔ سری نگر کی تمام اقوام اور جماعتوں کو اس میدان کے متعلق ہر سمجھوتہ پر اعتراض کرتے کا حق حاصل ہے۔ اس میں اس بات کی کوئی تمیز نہیں کہ اس معاملہ میں حکومت کی پوزیشن کیا ہے۔

دستخط

پریم ناتھ بزاز

چوہدری غلام عباس صاحب کا اختلافی نوٹ

میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ رپورٹ سے مسلمانان جموں و کشمیر کی ان جملہ شکایات کا تدارک نہیں ہوتا جو کمیشن کی شرائط تحقیقات کی ذیل میں آتی تھیں۔ اور جن کا مفصل تذکرہ اس محضر نامہ میں کیا گیا تھا۔ جو ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کی خدمت میں ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو جمہور مسلمانوں کے نمائندوں نے (جن میں سے ایک میں تھا) پیش کیا تھا۔ میں نے اس پر محض اس خیال سے دستخط ثبت کر دیئے ہیں کہ اگر اس کی اکثر سفارشات پر جذبہ صادقہ کے ساتھ مناسب عمل کیا گیا تو اس سے بہت حد تک مسلمانوں کی اشد شدید ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ بعض معاملات کے متعلق میرے اور کمیشن کے درمیان اس قدر تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ میرا خیال ہے کہ میں رپورٹ پر دستخط کرنے سے انکار کرنے کی بجائے اس پر دستخط ثبت کر کے اپنی قوم کے مفاد کی خدمت کروں گا۔

رپورٹ میں اکثر اچھے نکات بیان کئے گئے ہیں۔ میں ان کی بہت قدر کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں بعض امور کے متعلق اختلافی نوٹ لکھنے پر مجبور ہوں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اگر میں نے اختلافی نوٹ نہ لکھا تو مجھ پر جمہور مسلمین کی طرف سے جن کے مقصد کی میں نمائندگی کر رہا ہوں جو فرض عائد ہوتا ہے اس کے انجام دینے میں قاصر رہوں گا۔

سول سروس کی بھرتی

مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ملازمتیں دی جائیں۔ رپورٹ کی سفارشات پر ایسے طریق سے عمل کیا جائے کہ مسلمان اگلے دس سال کے عرصہ میں یہ نمائندگی حاصل کر لیں۔ محکمہ تعلیم نے جو اعداد و شمار مہیا کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں سرکاری ملازمت کے لئے کافی تعداد میں موزوں مسلمان امیدوار مل جائیں گے۔

زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب قریباً یکساں پایا جائے گا۔ مسلمانوں کو جلد از جلد ملازمتوں میں نمائندگی دینے کی غرض سے سفارش کی جاتی ہے کہ:

۱۔ جن غیر مسلموں کی عمر ۵۰ سال کی ہو گئی ہے یا جنھوں نے کم از کم ۲۵ سال ملازمت کی ہے۔ ان کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔

۲۔ تمام غیر مسلم عارضی ملازموں کو برخاست کر دیا جائے۔
نوٹ : ان دونوں طریقوں سے جو اسامیاں خالی ہوں ان پر قابل مسلمانوں کو مقرر کیا جائے۔
۳۔ جو مسلمان اس وقت ملازم ہیں ان کو تخفیف میں نہ لایا جائے۔ اس لئے کہ مسلمان ملازموں کی تعداد پہلے ہی بہت کم ہے۔
یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ پنجاب میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فیصدی ہے۔ مسلمانوں کے لئے حکومت نے ۵۰ فیصدی ملازمتیں دینا منظور کی ہیں (دیکھو انقلاب مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء جس میں چیف سیکریٹری کا وہ بیان درج ہے جو موصوف نے ۱۷ مارچ ۱۹۳۲ء کو کونسل میں دیا تھا) پنجاب میں بھی مسلمانوں کی اکثریت زراعت پیشہ ہے لیکن اس کی وجہ سے ملازمتیں دینے سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملازموں کی بھرتی میں، زراعت پیشہ اقوام سے ترجیحی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ برطانوی ہند کی حکومتوں نے تناسب ملازمت کی تخصیص کے اصول کو قطعی طور پر تسلیم کرلیا ہے۔ اور حال ہی میں حکومت پنجاب نے ایک خاص افسر مقرر کیا ہے۔ تاکہ بعض پسماندہ جماعتوں کو جلد سے جلد بھرتی کیا جا سکے۔ حکومت مذکور نے ایک قوم کے مفاد کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ادنیٰ ترین (نتاگر د پیشہ) ملازمتوں کا قطعی فیصدی مقرر کر دیا ہے۔

ملازموں کی ترقی

میں اس خیال کا مخالف ہوں کہ ۵۰ فیصدی خالی اسامیاں ترقی کے ذریعہ پر کی جائیں ان محکمہ جات میں ترقی کے ذریعہ تقررات کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ جن میں مسلمانوں کی بہت زیادہ کمی ہے۔ اور جہاں مسلمانوں کے حقوق کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ اِن محکموں کے علاوہ، کسی محکمہ میں بھی ترقی کے ذریعہ موجودہ تناسب (ایک تہائی) سے زیادہ تقررات عمل میں نہ لائے جائیں۔ باقی خالی اسامیاں غیر محکمانہ ذرائع سے پر کی جائیں۔ سرکاری ملازم بظاہر اس تناسب ترقی سے بالکل مطمئن ہیں اور کمیشن کو اس تناسب کے برقرار رکھنے کے خلاف کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔
علاوہ بریں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند کے بعض محکمہ جات میں بھی ۳/۲ اعلیٰ ملازمتیں ملازموں کو ترقی دے کر پر کرنے کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔

فوجی ملازمت

کوئی وجہ نہیں کہ رپورٹ کی سفارش کے مطابق جب تک جماعت بندی کے سوال پر دوبارہ

غور نہیں کیا جاتا کیوں سابقہ معمول کے خلاف مسلمانوں کی جنگ جو جماعتوں کی بھرتی کی تحدید کی جائے۔ میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ

۱۔ حسب سابق مسلمانوں کے لئے رسالے کی بھرتی کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اور موجودہ خالی اسامیاں مسلمانوں سے پر کی جائیں۔

۲۔ موجودہ رجمنٹوں میں مسلمانوں کا تناسب کم از کم نصف رکھا جائے۔

اس دعوے کی تائید ان شاندار خدمات کے ریکارڈ سے ہوتی ہے جو مسلمانوں نے جنگ عظیم کے دوران میں اور اس سے قبل انجام دیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہز ہائی نس کی رعایا کی کسی اور جماعت سے ہرگز امتیازی سلوک نہیں کیا جانا چاہیے۔

پبلک سروس کمیشن

میں اس سفارش کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں کہ ہز ہائینس گورنمنٹ کے مختلف محکمہ جات کے اعلیٰ حکام کو حسب دستور سابق اختیارات تقرر تفویض کئے جائیں۔ جمہور مسلمانوں کے مقررہ نمائندگان نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو جو عرضداشت سری نگر میں ہز ہائی نس کے حضور میں پیش کی تھی، اس میں انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ ملازمتوں میں موزوں نمائندگی کے معاملہ میں مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ ہو سکے۔ سابقہ تجربہ سے مسلمانوں کو یہ تلخ سبق ملا ہے کہ ریاست کے حکام پر فرداً فرداً یہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمانوں کو ملازمت میں ان کا جائز حصہ دیں گے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے موجودہ فقدان کا سبب وہ حالت ہے جو سول سروس ریکروٹمنٹ بورڈ سے قبل جاری تھی۔ اور جب محکموں کے اعلیٰ حکام کو قریباً قریباً وہی اختیارات تقرر حاصل تھے جو انہیں اب دیئے جائیں گے۔ اس جائز مطالبہ کو منظور کرنے کی بجائے الٹا موجودہ بورڈ ہی کو منسوخ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ حالاں کہ امید ہو سکتی تھی کہ یہ بورڈ فرقہ وارانہ تفاوت یا عدم مساوات کا ازالہ کر دے گا۔ حکام محکمہ جات کو اختیارات تفویض کئے گئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ریاست میں پھر وہی حالت پیدا کی جائے جس میں ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق سے بری طرح تغافل برتا جاتا تھا۔ سفارش کی جاتی ہے کہ اگر ریاست کی مالی حالت فی الحال کسی پبلک سروس کمیشن کے تقرر کی اجازت نہیں دیتی تو موجودہ ریکروٹمنٹ بورڈ ہی کو اس وقت تک قائم رکھا جائے، جب تک کوئی پبلک سروس کمیشن باقاعدہ مقرر نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں رپورٹ میں جو اور سفارشیں کی گئی ہیں، میں ان سے اتفاق کا اظہار کرتا ہوں۔ بورڈ کو ان سب پر عمل کرنا چاہیے۔

معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف برطانوی ہند کی حکومت ہی نے پورے وقت کا پبلک سروس کمیشن مقرر کیا ہوا ہے۔ بلکہ میسور، بروڈہ، کوچین وغیرہ جیسی ترقی یافتہ ریاستوں نے بھی ایسے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں۔

مالکانہ

ریاست کے جن حصص میں افسوسناک فسادات ہوئے ہیں ان میں مالکانہ کی معافی ملتوی نہ رکھی جائے۔ اور نہ اس کو مشروط قرار دیا جائے۔ زمینداروں کو حقوق ملکیت واپس یا عطا کرنے سے خود بخود مالکانہ معاف ہو جائے گا۔ میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ فی الفور حقوق ملکیت عطا اور مالکانہ معاف کیا جائے۔ اس سے صورت حال پر بھی نہایت خوشگوار اثر پڑے گا۔

مالیہ

میں اپنا یہ اندیشہ تسلیم کرتا ہوں کہ اگر بغرض محال مالکانہ اور کاہچرائی کے متعلق جو تدابیر تجویز کی گئی ہیں اور معطلی اور معافی کے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں ان پر پورا پورا عمل کیا گیا تو کیا اس سے صوبہ جموں کے زمینداروں کو کافی امداد ملے گی۔ جموں کے زمینداروں کو اپنی مزروعہ زمین سے روٹی پیدا کرنا بڑا مشکل ہو رہا ہے اور ان میں سے اکثر کو مجبوراً بیرون ریاست میں ملازمت تلاش کرنا پڑتی ہے۔ تقسیم اور حد بندی سے ان کی مملوکہ اراضی بہت گھٹ گئی ہے۔ ان کے قرضہ کا معاملہ بھی نہایت اہم ہے۔ میرپور تحصیل میں متوسط طبقہ کی اراضی گذشتہ بندوبست سے اب تک ۳۷۲ سے گھٹ کر ۱۶۳ رہ گئی ہے۔ یہ تو زمینداروں کی اراضی کا حال ہے۔ کرایہ داروں کی اراضی ۴٫۲ سے ۱٫۶۵ رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ متعلقہ اشخاص کے بیان کے مطابق اس وقت زمینداروں پر ۷ کروڑ اور کرایہ داروں پر ۲٫۶ کروڑ غیر محفوظ قرضہ ہے۔ ذرائع رسل و رسائل بہت خراب ہیں۔ اس لئے کاشتکار کو اپنا غلہ منڈی میں فروخت کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔

اگرچہ یہ سچ ہے کہ محکمہ بندوبست آج سے کچھ عرصہ پیشتر برطانوی ہند کے قابل افسروں کے ماتحت تھا۔ اور مالیہ پنجاب کے سابقہ دستور کے مطابق نصف خالص منافع کے حساب سے لیا جاتا تھا لیکن مالیہ گھٹا دینے سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ پنجاب میں عرصہ تک یہ دستور رہا کہ جس قدر پیداوار ہوتی تھی حکومت اس کا چھٹا حصہ بطور لگان وصول کرتی تھی۔ صوبہ جموں میں لگان پیداوار کا قریباً چوتھا حصہ مقرر ہے۔ علاوہ بریں کمشنر بندوبست خواہ کتنے ہی نیک ارادے والا کیوں نہ ہوتا، اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات کی ہر بندوبست میں نگرانی کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بندوبست میں بعض غلطیاں

رہ گئی ہیں۔ جو زمینداروں کے لئے سخت نقصان دہ ہیں۔ بعض حالات میں حیثیت دہی کا ٹیکس نامناسب طور پر بہت زیادہ رکھا گیا ہے۔ یہ باور کرنے کی ہر وجہ موجود ہے کہ اگرچہ شادی کے ٹیکس دستورِ شاہی) ایسا طریقہ استحصال بالجبر منسوخ اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ٹیکس اب بھی موجود ہے اور اس سے اور مالیہ لگانے کے مستاجری طریقے سے اہلکارانِ سرکار جن کے ذمہ بندوبست کا کام ہوتا ہے، کاشتکاروں کی طاقت ادائیگی کا بہت زیادہ اندازہ لگاتے ہیں۔
جب نئے بندوبست کا کام شروع کیا جائے تو اراضی کی مکرر پیمائش اور مکرر درجہ بندی پر خاص توجہ دی جائے۔ اور اگر حالات اجازت دیں تو ایک افسر مقرر کیا جائے جس کے ذمہ ان معاملات کی تحقیقات کا فرض خاص طور ڈالا گیا ہو۔ پنجاب کے قانون (ترمیم) مالیہ ۱۹۲۸ کے اصل الاصول بالکل صحیح ہونے کے علاوہ، خوش گوار نتائج پیدا کرنے والے ہیں۔ فی الحال اس قانون میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائے۔ لیکن اس کے اصولوں پر حکامِ ریاست حتیٰ الامکان جلد غور کریں اور اس کے مطابق مالیہ کم کر دیا جائے۔

(دستخط) غلام عباس

دستاویز نمبر ۳
۱۰, اپریل ۱۹۳۲ء

ترجمہ

گلینسی کمیشن کی سفارشات
پر
مہاراجہ ہری سنگھ کے احکامات

مترجم : میر نیاز محمد جرنلسٹ

مطبوعہ : منظورِ عام پریس "پیسہ اخبار" سٹریٹ، لاہور۔

گلینسی کمیشن کی سفارشات پر مہاراجہ بہادر کے احکام

ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کے احکام مصدرہ ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء کے ماتحت مسٹر گلینسی کی صدارت میں جو کمیشن مقرر ہوا تھا اس نے اب اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔

ہز ہائی نس نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسٹر گلینسی اور کمیشن کے دوسرے ممبروں نے تحقیقات میں، جس محنت، احتیاط اور قابلیت سے کام لیا ہے۔ اس کے لئے ان اصحاب کو میرا شکریہ پہنچا دیا جائے۔ رپورٹ میں بالکل غیر جانبدارانہ سیر حاصل، مدلل اور مفصل پیرایہ میں ان تمام معاملات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن پر کمیشن نے شرائط تحقیقات کے ماتحت غور کیا ہے۔

ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر نے ازراہ شفقت خسروانہ رپورٹ کی سفارشات قبول فرمالی ہیں۔ اور حکم دیا ہے کہ ان سفارشات پر حتی الامکان جلد سے جلد عمل کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی غرض کو مدِ نظر رکھ کر حسبِ ذیل احکام جاری کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مذہبی شکایات

۲۔ مقدس عمارات کی واپسی

ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر حکم دیتے ہیں کہ کمیشن نے معابد و مقابر کی واپسی کے متعلق جو سفارشات کی ہیں، ان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ جموں اور کشمیر کے گورنروں کے ذمہ یہ فرض عائد کیا جاتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ آیا ان سفارشات کے متعلق ضروری کارروائی کی جاتی ہے یا نہیں۔ زیارت مدنی صاحب کو ملتِ اسلامیہ کے نمائندوں اور انجمنِ اسلامیہ کی خواہش کے مطابق مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ انجمن اسلامیہ شیعوں کی طرف سے تصدیق کرے کہ کس کو اس کا اختیار و انتظام دیا جائے۔

علیٰ ہذا القیاس سری نگر کا وہ میدان جسے عید گاہ کہا جاتا ہے مسلم نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن ان سے یہ تحریری اقرار لے لیا جائے کہ مواشی کے چرنے اور تفریح وغیرہ کے متعلق پبلک کو جو حقوق حاصل ہیں ان کا مناسب احترام کیا جائے گا۔

خانقاہ صوفی شاہ واقع جموں اور مسجد باہو حتی الامکان جلد سے جلد ملتِ اسلامیہ کو واپس کر دی جائے۔

خانقاہ شاہ درہ واقع سوپہ جوں کلیتہً اسلامی انتظام کے ماتحت کر دی جائے۔ مفصل معلومات حاصل ہونے پر تمام دیگر مساجد و مقابر کی حوالگی اور واپسی کے متعلق ہز ہائی نس کی اعلان کردہ پالیسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ کوئی مقدس مقام کسی تیسری جماعت کو غلطی سے منتقل کر دیا گیا ہے تو اُسے، اس کے جائز حقدار کے حوالے کر دیا جائے اور اس حقدار سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ جو جماعت اسوقت جائیداد پر قابض ہے وہ اسے معاوضہ ادا کرے۔ اور اگر عدالت دیوانی کی طرف سے معاوضہ دینے کا حکم صادر ہو تو ایسی صورت میں ریاست کو معاوضہ کی ادائیگی کا انتظام کرنا ہوگا۔

مسجد شاہ ہمدان اور مندر مہا کالی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کا جو باہمی سمجھوتہ ہوا تھا اس کے بارے میں گورنر رپورٹ پیش کرے۔ اور یہ بھی بتائے کہ کیا اس سمجھوتہ میں ترمیم کرنے کے لئے کوئی وجہ پائی جاتی ہے۔

اگر دہرے، مسجدیں، گرجے وغیرہ بنانے کی غرض سے غیر آباد زمین کے لئے درخواست کی جائے تو حتی الامکان ہر حالت میں اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔

فرائض مذہبی میں مداخلت

اگر شکایت کی جائے کہ آذان میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے تو اس کی احتیاط کے ساتھ تحقیقات کی جائے اور اگر جرم ثابت ہو تو اس کی مؤثر طریقہ سے روک تھام کی جائے۔ اور مجرم کو سزا دی جائے۔

اگر پولیس یا کوئی اور سرکاری عہدیدار یا رعایا میں سے کوئی شخص تبدیل مذہب کرنے والوں یا تبدیل مذہب کا ارادہ رکھنے والوں کو خوفزدہ کرے تو ان کی سختی سے گوشمالی کی جائے اور ان کو سخت سزا دی جائے۔

توہین مذہب

تمام افسران متعلقہ کا فرض ہوگا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اس نوعیت کے ہر اشتعال انگیز فعل کا بلا لحاظ مذہب و ملت سختی کے ساتھ نوٹس لیا جائے۔

ہائی کورٹ کو اپنی ماتحت عدالتوں کے نام یہ ہدایات صادر کرنا چاہئیں کہ ان تمام مقدمات میں جن میں توہین مذہب کے ارتکاب کا ثبوت مہیا ہو جائے، مجرمین کو ایسی سزائیں دی جائیں جن سے مجرمین کو یقین ہو جائے کہ انہوں نے کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

ہز ہائینس مہاراجہ بہادر کی یہ مخلصانہ توقع ہے کہ تمام اقوام کے راہنما کمیشن کی پیش کردہ تجاویز

کے مطابق اپنے پیروؤں کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی انتہائی کوشش کریں گے کہ دیگر اقوام کے جذبات مذہبی کا احترام کرنا کس قدر اشد ضروری ہے۔

۲- تعلیم

محکمہ متعلقہ کو چاہیے کہ وہ گلینسی کمیشن کی سفارشات کو ہمہ وجوہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی تجاویز پیش کرے۔

محکمہ تعلیم ابتدائی تعلیم کی توسیع پر بالخصوص اپنی توجہ منعطف کرے۔ ایک قطعی پروگرام بنایا جائے اور وقتاً فوقتاً اس میں ترمیمات کرکے اسے "اپ ٹوڈیٹ" (یعنی موجودہ حالات کے مطابق) رکھا جائے۔ اس پروگرام کے ساتھ ایک نقشہ شامل ہو جس میں موجودہ ترقی اور آئندہ سہ سالہ ترقی کا تذکرہ درج ہو۔ سکولوں کی عمارات کی تعمیر کے لئے بھی پروگرام مرتب ہونا چاہیے۔ محکمہ تعلیم رپورٹ کرے کہ کیا اسے کمیشن کی اس سفارش کی فوری تعمیل میں، کہ سکولوں کی تعمیر کے لئے دیہاتیوں کو کمیشت زرامداد دیا جائے، کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟

ملاؤں یعنی عربی کے معلموں کی تعداد بڑھانے کیلئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ بلاضرورت ملاؤں کے تبادلے کرنے سے حتی الوسع احتراز کیا جائے۔ بالخصوص تبادلوں کے معاملہ میں دیہاتی مدرسین کا خیال رکھا جائے۔

شکستہ نویسی اور پٹوار کے کاغذات پڑھنے کی تعلیم کو بھی پرائمری سکولوں کے نصاب میں داخل کر لیا جائے۔ محکمہ تعلیم اس بات کا خیال رکھے کہ دیہاتی سکولوں میں کوئی ایسی تعلیم دی جائے کہ طلباء اپنے معمولی پیشہ کے قابل ہو سکیں۔ افسران مال اپنے اپنے علاقے کے پرائمری سکولوں کے معاملات میں دلچسپی لیں اور ذیلداروں اور نمبرداروں کو بھی ترغیب دیں کہ وہ بھی ان معاملات میں دلچسپی لیا کریں۔

محکمہ تعلیم کو مڈل اور ہائی سکولوں کے متعلق بھی ایک پروگرام مرتب کرنا چاہیے۔ اور جب سرمایہ وافر ہو تو مڈل اور ہائی سکولوں کی توسیع کی جائے۔

گورنر جموں رپورٹ کرے کہ کیا اسلامیہ ہائی سکول کے لئے گنڈا ودی چھاؤنی کی زمین دینے میں اسے کوئی اعتراض ہے اور اگر فی الواقع کوئی اعتراض ہو تو سکول کی تعمیر کے لئے کسی دوسری جگہ کا نام پیش کیا جائے۔

اس بات کی خاص احتیاط کی جائے کہ سکولوں اور کالجوں کی سائینس کلاسوں کے داخلہ میں

کسی قسم کی جانبداری کا اظہار نہ ہو تاکہ تمام اقوام کے جائز مفاد کا تحفظ ہو سکے۔

خاص اسلامی وظائف کی رقوم اور قابلیت کے وظائف کی رقوم کو برابر برابر کر دیا جائے۔ اور فیس کی معافی، وظائف یتامیٰ وغیرہ کے متعلق کمیشن نے جو سفارشات کی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

کمیشن کی سفارش کے مطابق ٹیچروں کی ٹریننگ کا خاص خیال رکھا جائے اور ٹیچروں کی ٹریننگ میں امدادی سکولوں کی مالی امداد کرنے کے سوال پر بھی غور کیا جائے۔ پرائمری سکول کے ٹیچروں کے لئے مڈل پاس ہونا ہی کافی قابلیت سمجھا جائے۔

صنعتی تعلیم کے متعلق کمیشن نے جو اصول تجویز کئے ہیں اس کے مطابق کاروائی کی جائے۔ اس معاملہ میں بھی بلا تاخیر تحقیقات کی جائے کہ کیا سری نگر کے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے انتظام میں تغیر و تبدل کرنا موزوں ہے۔ کمیشن نے زنانہ مدارس کی معلمات، ذریعہ تعلیم اور پردہ کے متعلق جو سفارشات پیش کی ہیں، ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

جس قدر جلد ممکن ہو سکے، مسلمان مدرسوں، انسپکٹروں اور محکمہ تعلیم کے مسلمان کلرکوں کا تناسب بڑھا دیا جائے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک خاص انسپکٹر مقرر کیا جائے۔ جو صوبائی انسپکٹروں سے بے نیاز رہ کر اپنے فرائض انجام دے سکے۔

کمیشن نے جو یہ تجاویز پیش کی ہیں کہ سرمایہ ہونے پر محکمہ تعلیم کے ملازمین کی تنخواہوں پر نظر ثانی کی جائے، علوم مشرقی کو ترقی دی جائے، کالجوں میں غیر فرقہ وارانہ رسائل مہیا کئے جائیں اور سرحد میں بدھی کی تعلیم دی جائے، ان سب سفارشات کو منظور کیا جاتا ہے۔

۳۔ ملازمتیں

مختلف قسم کے تقررات کے لئے جن اقل ترین قابلیتوں کی ضرورت ہے ان کے سلسلہ میں کمیشن کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں۔ ان تجاویز پر عمل درآمد کیا جائے۔

کمیشن نے خالی اسامیوں کی تشہیر کے متعلق جو ضابطہ پیش کیا ہے اس کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ وزراء اور حکام محکمہ جات کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اس ضابطہ سے ذرا بھی تجاوز نہ ہونے پائے۔ خالی اسامیوں کے متعلق اشتہارات، جموں میں مبارک منڈی اور سری نگر میں شیر گڑھی چسپاں کئے جائیں۔ ان مقامات پر جو اشتہارات چسپاں کرنے ہوں، محکمہ جات متعلقہ وہ سب حسب موقع جموں یا کشمیر کے گورنر کو بھیج دیں۔ وزارت کے نوٹس بورڈوں کی نگرانی وزرائے وزارت کے ذمہ اور تحصیلوں کے صدر دفتر کے نوٹس بورڈوں کی نگرانی تحصیلداروں کے

ذمہ ہو گی۔

اختیاراتِ تقرر کے متعلق کمیشن نے جو سفارشات کی ہیں، ہز ہائینس مہاراجہ بہادر ان کو بکمال عنایت خسروانہ منظور فرماتے ہیں۔ وزراء کو چاہیے کہ وہ بلا تاخیر ان حکام محکمہ جات کے متعلق سفارشات ارسال کریں جنھیں نان گزیٹیڈ عہدیداروں کے تقرر کے اختیارات تفویض کئے جانے چاہیں۔ وزراء ان حکام کے نام بھی پیش کریں، جنھیں صرف ایک سو روپیہ تک کی تنخواہ والے ملازمین کے تقرر کا اختیار دیا جانا چاہیے محکمہ تعمیرات عامہ، جنگلات اور پولیس کے افسروں سے جواب طلب کیا جائے کہ تمہارے محکموں میں کیوں غیر تسلی بخش صورتِ حال پائی جاتی ہے اور کیوں نہ تمہارے اختیاراتِ تقرر چھین کر وزیر متعلقہ کے سپرد کر دیئے جائیں۔

کمیشن کے پیش کردہ اصولوں کے مطابق ششماہی رپورٹیں پیش کی جائیں۔ اور حسب سفارش ایک سالانہ بیان شائع کرایا جائے جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ تمام محکموں میں مختلف اقوام کے ملازمین کی تعداد کیا ہے۔

براہِ راست اسامیاں پُر کرنے کے متعلق کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ مہاراجہ بہادر مقامی تقررات کے متعلق کمیشن کی جملہ سفارشات کلیتاً پسند اور منظور فرماتے ہیں۔ لہٰذا فی الفور ان پر عمل درآمد شروع کیا جائے۔ خوش انتظامی اور رعایائے ریاست کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ حتی الامکان پٹواریوں، چوکیداران جنگلات، چوکیداران شکار وغیرہ کی اسامیوں کے لئے مقامی باشندوں ہی کا انتخاب کیا جائے۔ وزراء کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس سلسلہ میں جس پالیسی کی سفارش کی گئی ہے۔ اس کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ اعلےٰ حکام محکمہ جات کو متنبہ کیا جائے کہ ان اسامیوں اور دوسری اسامیوں کے متعلق جو ضابطہ تجویز کیا گیا ہے اگر اس کے مطابق عمل نہ کیا گیا تو ان سے اختیاراتِ تقرر چھین لئے جائیں گے۔

۴۔ مالیہ اراضی وغیرہ

ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کمیشن کی اس سفارش کو بکمال عنایت خسروانہ منظور فرماتے ہیں کہ طول و عرض ریاست میں مالکانہ کی وصولی بند کر دی جائے۔ لیکن اس بندش کی شرائط وہی ہوں گی جو کمیشن نے تجویز کی ہیں۔ نذرانہ کے متعلق وزیر مال کو اپنی تجاویز پیش کرنا اور یہ بتانا چاہیے کہ کس قدر رقم نذرانہ کے طور پر وصول کی جائے۔ لیکن بہر صورت جس رقم کی سفارش کی جائے وہ حد اعتدال سے زیادہ نہ ہو۔ حتی الامکان جلد سے جلد رپورٹ پیش کی جائے کہ فساد زدہ رقبوں میں کہاں تک صورتِ حال اعتدال پذیر ہوئی ہے۔ ہر علاقہ کے بقایا مالیہ کی رقوم تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں اور اگر یہ ثابت ہو کہ فساد زدہ

رقبوں میں جذبہ ندامت و پشیمانی پیدا ہو گیا ہے تو ان میں مالکانہ فی الفور منسوخ کر دیا جائے۔ ہز ہائی نس یہ امید کرنے میں کمیشن کے ہمنوا ہیں کہ فساد زدہ رقبے سے ریاست کے باقی علاقہ کا سا سلوک کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لیا جائے گا۔ جن اشخاص کی نسبت ثابت ہو جائے کہ انھوں نے دوران فسادات میں ریاستی حکام کی امداد کی ہے یا ان لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی ہے جو خطرے میں تھے۔ تو انہیں بھی ریاستی مالکانہ معاف کر دیا جائے اور ان سے نذرانہ بھی نہ لیا جائے۔

مہاراجہ بہادر کمیشن کی اس سفارش سے بھی متفق ہیں کہ جو زمینیں ریاست کی ملکیت میں ہیں اور جن پر قبضہ کے حقوق عوام کو حاصل ہیں، ان سب کے مالکانہ حقوق ان قابض اشخاص کو دے دیئے جائیں۔ وزیر مال کو سب سے پہلے ان تحفظات کی جانچ پڑتال کرنا چاہیے جو کمیشن نے زراعت پیشہ جماعتوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے تجویز کی ہیں۔ وزیر موصوف تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ پیش کرے۔

کاہچرائی کے تحصول کے سلسلہ میں کمیشن نے تجویز پیش کی ہے کہ یہ محصول فی الفور سات تحصیلوں یعنی جموں، سانبہ، اکھنور، کٹھوعہ، جسمیر گڑھ، میرپور اور بھمبر میں منسوخ کر دیا جائے۔ مہاراجہ بہادر اس تجویز کو منظور فرماتے ہیں کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بالخصوص ان ہی تحصیلوں کا ذکر کیا ہے۔ وزیر مال کو چاہیے کہ وہ ایک ایسے افسر کی سفارش کرے جسے اس سلسلہ میں کار خاص پر مقرر کیا جا سکے۔ وزیر مال سفارش کرے کہ:

۱۔ مذکورہ بالا تحصیلوں کے وہ کون سے حصے ہیں جہاں کاہچرائی کا ٹیکس مستقل طور پر معاف نہیں کیا جانا چاہیے۔ اور

۲۔ ریاست کے جن دیگر حصوں میں کاہچرائی کا ٹیکس بہت زیادہ معلوم ہو وہاں کیسی امداد کی ضرورت ہے۔

صوبہ جموں میں مقررہ کاہچرائی کے علاوہ دھاروں کا جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ بند کر دیا جائے۔ اس لئے کہ صوبہ کشمیر میں بھی یہ ٹیکس نہیں لیا جاتا اور جب قصاب یا دوسرے لوگ بھیڑ بکریاں ذبح کرنے کے لئے میونسپل حدود میں لائیں تو ان سے کاہچرائی کا محصول نہ لیا جائے۔ وزیر مال رپورٹ کرے کہ کیا کاہچرائی کے معاملہ میں مختلف قسم کے گڈریوں یا بکروالوں کے درمیان امتیاز روا رکھنے کے لئے کوئی تشفی بخش وجہ ہے؟

تحصیل میرپور میں نوتوڑ کی جو بقایا رقم معطل کی گئی ہے اسے معاف کر دیا جائے۔

مالیہ کے تعطل اور معافی کے قواعد کی حرف بہ حرف احتیاط کے ساتھ ریاست بھر میں ہر حالت میں تعمیل کی جائے۔

زمین کی درجہ بندی، پیمائش اراضی اور بچھ کی تقسیم کے متعلق جس قدر شکائتیں ہیں ان میں سے ایسی تمام شکائیتوں کی اچھی طرح سے تحقیقات کی جائے۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اشخاص متعلقہ کو مناسب موقعہ پر اعتراضات پیش کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔

سرحدی اضلاع نے مبادلہ کے زخوں کی . . . نظرثانی پیشگی غلہ پر شرح سود اور نوٹ توڑ کی تحدید کے متعلق جو شکایات کی ہیں ان کے سلسلہ میں کمیشن کی سفارشات منظور کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان سفارشات پر عمل کیا جائے۔

اخروٹ کے جو درخت مزارعین کی مملوکہ اراضی میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے کاٹنے کے بخلاف کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے۔ اور اگر ایسے درختوں پر لگان لگایا گیا ہو تو ان کے کاٹنے کے بعد فی الفور یہ لگان منسوخ کر دیا جائے۔ جب محکمہ ابریشم شہتوت کے درختوں کے بیج تقسیم کرنے لگے تو حتی الامکان ایسے مالکان اراضی کو ترجیح دے، جن کی اراضی میں یہ درخت اُگے ہوئے ہیں۔ چنار کے درخت کاٹنے کی اجازت دینے کے اختیارات حسب موقعہ و ضرورت تحصیلداروں کو دیئے جائیں۔ گلینسی کمیشن نے درختوں کے متعلق جو چھوٹی چھوٹی سفارشیں کی ہیں وہ بھی منظور کی جاتی ہیں۔

مہاراجہ بہادر کو چکوں اور جاگیروں کے بارے میں کمیشن کی اس سفارش سے کلیتہً اتفاق ہے کہ زراعت پیشہ لوگوں کے لئے راج تلک کے موقعہ پر جن مراعات کا اعلان کیا گیا ہے ان کی پوری پوری تعمیل کی جائے اور غیر زراعت پیشہ اشخاص کو زمینیں عطا کرتے وقت زمینداروں کے مفاد کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے۔ وزیر مال رپورٹ کرے کہ کیا اس بارے میں کمیشن کی تجاویز کی کماحقہٗ تعمیل پر اُسے کوئی اعتراض تو نہیں۔ اگر ریاست کو سرکاری کام کے لئے زرعی اراضیات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حتی الامکان ان کے مالکوں کو کسی اور جگہ ویسی ہی زمینیں دی جائیں۔ ریاستی قانون کو بعض لحاظ سے پنجاب کے "قانون انتقالِ اراضی کے مطابق بنانے کے لئے کمیشن نے جو ترمیمیں تجویز کی ہیں۔ وزیر مال ان کی جانچ پڑتال کر کے اپنی سفارشات پیش کرے۔

کواپریٹو قرضہ جات کے نظام کی ترقی اور مملوکہ اراضی کے مزید استحکام کے معاملہ پر وزیر متعلقہ خاص توجہ کرے۔

۵- متفرقات

رشوت ستانی

رشوت ستانی کے انسداد کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائی جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر

حکام محکمہ جات کو مناسب اختیارات دیئے جائیں تو وزراء اور اعلیٰ حکام کو اپنے ماتحتین کے اعمال و افعال کی نگرانی کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ فرصت ملے گی۔ تمام افسروں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ رشوت ستانی اور ہمچوں قسم افعال کبھی بھی برداشت نہیں کئے جائیں گے ۔ جو شخص اس سلسلہ میں مجرم ثابت ہوں گے ، انہیں عبرت ناک سزا دی جائے گی ۔

کار سرکار

تمام افسروں اور عہدیداروں کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ سرکاری کام (بیگار) انجام دینے والے مزدوروں کو اپنی مزدوری کا پورا صلہ حاصل ہو۔ اگر حالات اجازت دیں تو سرحد کے سلسلہ " راس " کو بند کرکے ٹھیکیداروں کے ذریعہ کام لیا جائے ۔ مفت کی چیزیں لینے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے ۔ اعلیٰ حکام دورہ کرتے ہوئے اس کے متعلق جملہ شکایات کی تحقیقات کریں ۔

جنگلات

کمیشن نے دیہاتیوں کو عمارتی لکڑی کی تقسیم کی نگرانی کرنے کے متعلق سفارشات پیش کی ہیں ۔ ان کو عملی جامہ پہنایا جائے ۔ تمام افسران متعلقہ کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ زمینداروں اور دیگر اشخاص کو ان مراعات سے جن کے وہ مستحق ہیں، مستفید ہونے کا پورا پورا موقعہ حاصل ہو ۔

رکھ

کاشت کاروں کو وحشی جانوروں کے حملوں سے اپنی فصلیں بچانے کے لئے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے ۔ وزیر انچارج کو فی الفور رپورٹ کرنا چاہیے کہ کھیتوں کو وحشی جانوروں سے بچانے کیلئے کن تدابیر کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۔ وحشی جانوروں سے کھیتوں کی حفاظت کرنے کے لئے اسلحہ جات کا لائسنس لینے کی غرض سے جو درخواستیں دی جائیں ان پر فی الفور ہمدردی سے غور کیا جائے ۔ بشرطیکہ کوئی خاص امر مانع نہ ہو ۔ رکھ کی حدود پر زرعی زمین کی توسیع کے لئے جو درخواستیں دی جاتی ہیں ان پر مناسب غور کیا جائے ۔

کسٹم

وزیر انچارج کو بلا توقف رپورٹ کرنا چاہیے کہ محکمہ کسٹم کے متعلق کمیشن نے جو سفارشات کی ہیں کیا ، ان کو عملی جامہ پہنانے کے خلاف کوئی اعتراض تو نہیں ۔

محکمہ کسٹم پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ وہ کسٹم ڈیوٹی کی وصولی کے لئے اپنے مطالبات فی الفور پیش کر دیا کرے ۔ اگر اس حکم پر عمل نہ کیا گیا تو سخت سزا دی جائے گی ۔

دھڑت

مقامی افسروں کو ہدایت کی جائے کہ جن قصبات میں "دھڑت" کا ٹیکس نافذ ہے، ان کے باشندوں سے وہ مشورہ کر لیا کریں کہ دھڑت کی آمدن کن مقاصد پر صرف کی جائے۔

محکمہ تعمیرات عامہ

جب مالی حالات اجازت دیں تو گلینسی کمیشن کی سفارش کے مطابق ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کا باضابطہ پروگرام اور نقشہ تیار کیا جائے۔ وزیر انچارج کو چاہیے کہ چرار شریف میں پینے کے پانی کا مناسب انتظام کرے اور دریائے چناب کے کنارے بسنے والے دیہات کو بہہ جانے سے محفوظ رکھنے، رنبیر سنگھ پورہ تحصیل میں پانی دھنسنے کے خلاف حفاظت کرنے اور وزارت گلاگت کے پلوں کی مرمت کرنے کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرے۔ ٹھیکوں کے متعلق کمیشن نے جو اصول تجویز کئے ہیں، ان ہی کے مطابق عمل کیا جائے۔ وزیر انچارج سفارش کرے کہ کن مقامات میں ٹینڈروں کی طلبی اور ٹھیکوں کے دیئے جانے کے متعلق اشتہار دیا جائے۔ جو احکام جاری کئے جائیں ان کو ریاست کے گزٹ میں مشتہر کیا جائے۔

میونسپلٹیاں

سری نگر شہر کی صفائی اور کوچوں کی توسیع پر بدستور توجہ کی جائے اور حالات کے مطابق اس کام کے لئے روپیہ وقف کیا جائے۔ جموں کے اسلامی قبرستان تک موزوں راستہ تیار کرنے کے معاملہ پر بھی مناسب غور کیا جائے۔

محکمہ طبّی

میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کو گلینسی کمیشن کی اس سفارش پر خاص توجہ دینا چاہیے کہ ڈسپنسریوں میں دائیاں ملازم رکھی جائیں۔

صنعتیں

وزیر انچارج کو صنعت پارچہ بافی کو ترقی دینے اور پھلوں کی کاشت کی حوصلہ افزائی کرنے پر خاص توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ مرض "سان جوسے سکیل" کئی سال سے کشمیر کے باغات میں پھیلی ہوئی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سرگرمی سے تدابیر اختیار کی جائیں۔ محکمہ ابریشم کے متعلق رپورٹ پیش کی جائے اور اس سوال پر بھی بلا توقف غور کیا جائے کہ کیا محکمہ مذکور کے انتظام میں کسی قسم کی تبدیلی مناسب ہے۔ اشیاء مہیا کرنے کے ٹھیکوں کے معاملہ میں مقامی کارخانہ داروں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جائے۔

لے SAN JOSE SCALE

سٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹ

کمیشن نے سٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹ کے قواعد کو سہل بنانے کے لئے جو سفارشات کی ہیں ان کو منظور کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے کارروائی کی جائے۔

دھرم ارتھ

دھرم ارتھ کی مالی حالت کے متعلق بلاتوقف ایک بیان مرتب کرکے پیش کیا جائے۔ جس قدر بچا ہوا روپیہ ہو وہ کمیشن کی سفارش کے مطابق ان مفید کاموں پر صرف کیا جائے جو اس وقف کے مقاصد کے منافی نہیں ہیں۔ گئو شالوں کے قیام اور بہم رسانی آب کے بہتر انتظام کی طرف خاص توجہ کی جائے۔

حتی الامکان جلد سے جلد دھرم ارتھ کی واجبات جنس کی بجائے روپیہ میں وصول کرنے کا انتظام کیا جائے۔

چراگاہی کے قبضہ کے متعلق جن کا تعلق امرناتھ یاترا سے ہے جو احکام جاری کئے گئے ہیں ان کی مناسب تعمیل کی جائے۔

ستھراشاہی

ستھراشاہی جیسے ناجائز طریقہ استحصال بالجبر کے متعلق تمام شکایتوں کی پوری طرح تحقیقات کی جائے اور اگر یہ ثابت ہو کہ ابھی یہ معمول جاری ہے تو اس کا مؤثر طریقے سے انسداد کیا جائے۔

خاص ایام میں ذبیحہ کی ممانعت

خاص ایام میں ذبیحہ کی ممانعت کے متعلق کمیشن کی سفارشات منظور کی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ صوبہ جات کے گورنر ایسی جگہوں کے متعلق جہاں گوشت کی فروخت مذہبی جذبات کے منافی ہے، اپنی تجاویز پیش کریں۔ ایسے مقامات کے متعلق امتناعی احکام مشتہر کئے جائیں۔

قصابوں کی دکانیں صرف حسب ذیل چار ایام میں بالکل بند رہیں گی۔

۱۔ رام نومی ۲۔ جنم اشٹمی، ۳۔ ہز ہائی نس مہاراجہ کا جنم دن، ۴۔ ولی عہد کا جنم دن۔

ممنوعہ ایام میں گوشت فروخت کرنے کے متعلق بعض جماعتوں کو جو مراعات حاصل ہیں، وہ سب منسوخ کی جائیں۔ عید الضحیٰ اور ایسے تمام مواقع پر جب کہ مذہبی فریضہ کی بجا آوری میں بھیڑ بکری ذبح کرنے کی ضرورت ہو، ذبیحہ کی فیس نہ لی جائے۔

تالابوں وغیرہ کا استعمال

ریاست تالابوں، نہانے اور پانی پینے کی جگہوں کے متعلق جو عام پبلک کے لئے بنائی گئیں یعنی وہ تالاب وغیرہ جن کے متعلق کسی ایک قوم کے حقِ استعمال کا ثبوت بہم نہیں پہنچ سکتا۔ کسی قسم کا حسد انگیز امتیاز روا نہ رکھے۔

شادی صغیر سنی کی ممانعت

کمیشن نے اس عنوان کے تحت دہشت انگیزی اور رشوت ستانی کے روکنے کے لئے جو سفارشات پیش کی ہیں ان پر عمل کیا جائے اور اس کے متعلق جملہ حکام متعلقہ کو ہدایات جاری کی جائیں۔

ہانجی پھیری والے اور موٹروں اور لاریوں کے مالک

کمیشن نے ہانجیوں، پھیری والوں، موٹروں اور لاریوں کے مالکوں کے متعلق جو سفارشات پیش کی ہیں۔ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر ان کو منظور فرماتے ہیں۔ اس لئے وزیر انچارج رپورٹ کرے کہ کیا ان تمام سفارشات پر عمل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں۔ بالخصوص گھاٹ ٹیکس اور بوٹ ٹیکس کی وصولی کے لئے مشترکہ ایجنسی مقرر کرنے، روڈ ٹول سے مقامی باشندوں کو مستثنیٰ قرار دینے کے متعلق نمبرداروں کے سرٹیفکیٹ تسلیم کرنے، خیمہ ٹیکس اور نشاط باغ و شالامار باغ میں عوام کے داخلہ پر فیس لینے کے معاملات کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

ضابطہ مطابع

ہز ہائی نس کی حکومت ضابطہ مطابع کو حتی الامکان برطانوی ہند کے ضابطہ کے مطابق بنانے کے لئے ایک نیا ترمیم شدہ قانون مطابع تیار کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ اور اس سلسلہ میں احکام بھی جاری کئے جا چکے ہیں۔

بحکم ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر

(دستخط) ای، جے، ڈی کالون

وزیر اعظم

جموں

۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء